اسلامی مدارس
تجزیہ .تبصرہ .مشورہ
تصنیف
حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی
(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)
شعبۂ تحقیق و اشاعت
Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore
K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149
H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001
Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

برخود نظر کشا ، ز تہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہِ تمامے نہادہ اند

اسلامی مدارس کا نصاب و نظام

تجزیہ ، تبصرہ ، مشورہ

تحریر
حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم
مہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلو

النَّاشِر
شعبۂ تحقیق واشاعت
الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرس

الموضوع	صفحہ

مُقدّمة

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم ، اما بعد :

رابطۂ مدارس اسلامیہ، دارالعلوم دیوبند'' کی صوبائی شاخ ''رابطۂ مدارس اسلامیہ کرناٹک'' کا ایک اجلاس عاملہ چند سال قبل بمقام دارالعلوم شاہ ولی اللہ، بنگلور ہونا طے پایا تھا، اس اجلاس کے لئے احقر کو'' مدارس میں تعلیم وتربیت اور انتظامیہ میں اصلاح کی ضرورت'' کے عنوان پر علماء وذمہ داران مدارس کے سامنے گفتگو کرنے کا حکم دیا گیا۔احقر نے اس کے لئے اس عنوان میں ہلکی سی ترمیم کرکے''اسلامی مدارس کا نظام ونصاب - تجزیہ، تبصرہ، مشورہ'' پر ایک مقالہ لکھا اوراجلاس میں حضرات علماء کرام وذمہ داران مدارس کے سامنے اکابر کے حکم کی تعمیل میں پیش کردیا، جس کو حاضرین مجلس نے پسند فرمایا اوراسی وقت بہت سے علماء نے اس کی فوٹو کاپی کرائی اور بعض حضرات نے اس کو شائع کرنے کا مطالبہ کیا۔

بالخصوص مولانا مفتی شمس الدین صاحب بجلی قاسمی حفظہ اللہ (استاذ دار العلوم شاہ ولی اللہ، بنگلور) نے کئی باراس کا تقاضا فرمایا، لیکن میں نے اس کو مزید مدلل ومرتب انداز میں پیش کرنا چاہا، جس کے لئے وقت کی ضرورت تھی، چنانچہ اس

کے بعد اس کو مزید حوالجات سے مدلل اور نئی ترتیب سے مرتب کرلیا گیا۔

مگر دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کی اشاعت کی جانب کوئی توجہ نہیں دی جاسکی اور یہ مسودہ پڑا رہا اور بہ مصداق: "کلّ أمرٍ مَرهُون بأوقَاتِہ" اس کا وقت اب آیا اور یہ اب اشاعت کے لئے جارہا ہے۔

زیر نظر تحریر وہی مقالہ ہے جس کو کچھ اضافوں اور ترمیمات کے ساتھ اور مزید حوالجات سے مدلل کرکے پیش کیا جارہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کو نافع ومفید بنائے۔

محمد شعیب اللہ خان
جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور
۲/ذوالحجہ،۱۴۳۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دینی مدارس میں تعلیم ، تربیت اور انتظامیہ میں اصلاح کی ضرورت

الحمد للّٰہ ربِّ العُالمین ، والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمّدٍ رسولِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم ، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ۔

أما بعدُ: حضرات علماء وفضلاء کرام اور صوبے کے مختلف دینی وعلمی اداروں سے تشریف لائے ہوئے ذمہ داران!

آج کے اس اہم اجلاس میں مجھے جو موضوع دیا گیا ہے وہ ہے ''مدارس میں تعلیم وتربیت اور انتظامیہ میں اصلاح کی ضرورت''۔ جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ یہ ایک نہیں بلکہ دراصل تین عنوانات ہیں: ایک نصابِ تعلیم میں اصلاح سے متعلق، دوسرے نظامِ تربیت میں اصلاح سے متعلق اور تیسرے انتظامیہ میں اصلاح سے متعلق، اور یہ بھی واضح ہے کہ ان میں سے ہر عنوان طویل الذیل اور ایک لمبے وقت کا متقاضی ہے ، مگر وقت کی نزاکت کا لحاظ رکھتے ہوئے میں کوشش کروں گا کہ ان عناوین سے متعلق اہم گوشوں کو آپ کے سامنے پیش کروں۔

حضرات! یہ بات واضح ومسلم ہے کہ مدارس اسلامیہ کا نصب العین ''تعلیم دین وتربیت اخلاق'' ہے؛لہذا اہل مدارس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نصب العین کے پیشِ نظر اُس راہ وسبیل کو اختیار کریں جو اس نصب العین میں مفید ومعین ہو اور ہر اس طریق سے احتراز کریں جو نقصان دہ یا غیر مفید ہو۔اس سلسلہ میں چند اہم امور کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔

تعلیمی نصاب

سب سے پہلے تعلیم کو لیجئے،اس میں دو باتوں پر مجھے عرض کرنا ہے: ایک نصابِ تعلیم پر اور دوسرے نظام تعلیم پر،عام طور پر جب بھی نصاب تعلیم کا مسئلہ سامنے آتا ہے تو ذہنوں میں لازماً یہ بات آتی ہے کہ نصاب میں تبدیلی وترمیم کا مسئلہ زیرِ بحث آئے گا،مگر میں اس کے متعلق اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا؛ کیونکہ اس مسئلہ پر اب تک ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں،بعض لوگ مروجہ نصاب تعلیم میں تبدیلی لانے کے نظریے کی تائید کرتے ہیں تو دوسرے حضرات اس کے خلاف مروجہ نصاب کی حمایت کرتے ہیں،اور اس مسئلہ نے کافی طول کھینچا اور طرفین کی جانب سے اخبارات وجرائد،رسائل وکتب میں اس پر بحثیں ہوئیں اور اب تک جاری ہیں؛لہذا میں اس وقت اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔

نصاب تعلیم کا اصل مقصد کیا ہے؟

البتہ اس سلسلہ میں اہل مدارس کو ایک بات پر خصوصیت کے ساتھ توجہ دینا چاہئے، وہ یہ کہ ہمارے ''نصاب تعلیم'' کا اصل مقصد وہدف دین کے داعی و سپاہی،قرآن وسنت کے مستند مفسر وشارح،تعلیمات اسلام کے مخلص معلم ومبلغ،اور

ملت کے بے لوث و سچے خادم ورہبر پیدا کرنا ہے، جو اپنی ذمہ داریوں کو نباہتے ہوئے وقت کے تقاضوں، زمانے کی نزاکتوں، لوگوں کے مزاجوں، عرف وعادت کی تبدیلیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے امت کوصحیح و سچے دین کی رہنمائی دیں، باطل طاقتوں کا علمی وعملی طور پر جواب دیں، اور دین اسلام کی حفاظت واشاعت کا کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔

اس مقصد کے پیشِ نظر جو اصلاح وترمیم ''نصاب تعلیم'' میں کی جاسکتی ہے، اور اس ضرورت کے لئے جن مضامین کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی ترمیمات واصلاحات کا سلسلہ ایک زمانے سے چل رہا ہے، چنانچہ مروجہ ''درس نظامی'' کی جو شکل آج ہے وہ اُس صورت سے بہت حد تک مختلف ہے جو دور اول میں تھی، پچاسوں کتابیں اس سے اب خارج کردی گئی ہیں اور متعدد نئ کتابیں اس میں داخل کردی گئی ہیں، جو اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ عملاً ہر دور میں ''اصلاح وترمیم'' کا کام انجام پاتا رہا ہے۔

مگر جب بعض حلقوں کی جانب سے مروجہ درسِ نظامی کو ایک فرسودہ ولایعنی نصاب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور اس میں خامیاں تلاش کی جانے لگیں، اور اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر یہ ہوا کہ ان کی دیکھا دیکھی منکرین مدارس کی جانب سے ان مدارس کی افادیت کا یکسر انکار کیا جانے لگا، اور ان مدارس کی ہیئت کذائیہ کو بدل کر کالجوں میں انہیں تبدیل کرنے کے مشورے اور تجاویز بھی دئے جانے لگے، تو لامحالہ دوسرے طبقے کی طرف سے اس کا جواب دینا پڑا اور بحث نے طول پکڑ لیا، ورنہ جہاں تک بندہ کا خیال ہے نصاب میں ترمیم واصلاح کے سلسلہ کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں بلکہ محض صوری اختلاف ہے، جس طرح کسی زمانے میں ''ایمان میں کمی

بیشی''، وغیرہ مسائل پر بعض بڑے بڑے حضرات نے کتب ورسائل لکھے اور اختلاف نے بحث ومناظرے تک نوبت پہنچادی، مگر جب اصلیت سامنے آئی تو پتہ چلا کہ ان میں سرے سے کوئی حقیقی اختلاف تھا ہی نہیں، اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ضرورت کی بناء پر نصاب میں ترمیم تو بہت پہلے سے جاری ہے اور اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں مگر پھر بھی اختلاف کی ایک صورت قائم ہے۔

الغرض اس وقت اس مسئلہ پر کچھ کہنا مجھے مقصود نہیں، البتہ مذکورہ بالا ہدف و مقصد کے پیش نظر ہمارے نصاب میں جن باتوں کا مزید اہتمام ہونا چاہئے، اس کی جانب اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

عربی زبان کی مہارت

ان میں سے ایک یہ ہے کہ عربی صرف ونحو اور ادب کی تعلیم کا چونکہ اصل مقصد عربی زبان پر عبور ہے؛ اس لئے ضروری ہے کہ ایسی کتب کو اس میں جگہ دی جائے جو اس مقصد میں زیادہ سے زیادہ معین ومفید ہیں، تاکہ طلباء میں عربی کی صحیح اور مضبوط استعداد پیدا ہو۔ عام طور پر یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ درسِ نظامی کے اکثر فارغین عربی پر عبور نہیں رکھتے، یا کم از کم یہ بات ہے کہ وہ بے تکلفانہ طور پر عربی کی بول چال اور لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ہوسکتا ہے کہ پہلے زمانے میں اس کی اس قدر ضرورت نہ رہی ہو اور جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ: درس نظامی کا اصل مقصد قرآن وحدیث کی فہم پیدا کرنے کے لئے فنی نہج پر پڑھا دینا ہو، مگر آج وقت اور حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ایک عالم عربی زبان میں نہ صرف فنی طور پر مہارت حاصل کرے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تقریر وتحریر کا بھی پورا سلیقہ پیدا کرے۔

عربی زبان کی مہارت نہ ہونے کی پہلی وجہ

اور مذکورہ خامی کی ایک وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ عربی زبان پڑھانے کے لئے جن کتابوں کو داخل نصاب رکھا گیا ہے، ان میں سے بنیادی کتابیں جیسے میزان، منشعب، نحومیر وصرف میر وغیرہ فارسی زبان میں ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ فارسی اور عربی دونوں زبانیں ہماری مادری زبانیں نہیں ہیں، ہم بچے کو ایک غیر مادری و بیگانہ زبان دوسری غیر مادری و بیگانہ زبان کے ذریعہ سکھانا چاہتے ہیں تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی ہندوستانی کو انگریزی زبان کی تعلیم فرانسیسی کے ذریعہ دی جائے، اس صورت میں طالب علم پر دو بے گانہ زبانیں سیکھنے کا بار پڑتا ہے، جس کا نتیجہ وہی رونما ہوتا ہے اور ہونا چاہئے کہ اصل مقصد سے طالب علم رہ جاتا ہے؛ لہذا عربی سکھانے کے لئے مادری زبان کو واسطہ و وسیلہ بنانا چاہئے۔ الحمد للہ اس سلسلہ میں بعض عمدہ و اچھی کتابیں منصۂ شہود پر رونما ہو چکی ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ پھر علماء نے اس کو کیوں داخل نصاب کیا، کیا ان کی نظر اس کی طرف نہیں گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس زمانے میں یہ کتابیں نصاب میں داخل کی گئیں وہ دَور اور اس کے بعد بھی ایک زمانے تک فارسی یہاں کی مادری زبان تھی؛ اس لئے اس وقت یہی مناسب تھا؛ لیکن جب یہ ہماری مادری زبان نہیں رہی تو اس کو نصاب میں باقی رکھنا مفید ہونے کی بجائے مضر ہوگا۔

عربی پر مہارت نہ ہونے کی دوسری وجہ

اور دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان بنیادی کتابوں کی تعلیم میں وہ طریقہ استعمال کیا جاتا ہے جو تخصص کے کسی شعبہ یا تحقیقی ادارے کے شایان شان ہے، جیسے

کافیہ اور شرح جامی کے سبق میں ان کتابوں کے سارے اسراری مباحث ،ان کے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ وہ درسِ نحو کے بجائے درسِ فلسفہ کہے جانے کا مستحق نظر آتا ہے ،اوران میں لفظی موشگافیوں ،عبارتی تعقیدات ہی کوسب کچھ اور نقطۂ عروج خیال کیا جاتا ہے ۔ یہ طرزِ تعلیم مفید ہونے کے بجائے طالب کی استعداد میں فتور کا سبب بن جاتا ہے ؛ کیونکہ یہ مباحث اس کی استعداد و ضرورت دونوں سے آگے کی چیز ہے۔

مدارس میں انگریزی زبان کا مسئلہ

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نصاب میں انگریزی اور صوبائی و علاقائی زبان کو بھی ایک جز و لازم کی طرح داخل کرنے کی ضرورت ہے ،جس طرح ہمارے اسلاف نے وقت کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اس زمانے میں فارسی زبان کو داخل نصاب کیا تھا؛ کیونکہ آج انگریزی زبان صرف ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ خود ہمارے اپنوں کے گھروں میں بھی اس قدر رواج پا گئی ہے کہ ان لوگوں کی افہام و تفہیم اوران تک اسلام کے صحیح پیغام کی دعوت اب اسی زبان میں منحصر ہوگئی ہے ،اسی طرح غیروں کے سامنے اسلام کی صحیح و سچی تصویر اوراس کے مستند پیغام کی دعوت اس کے بغیر ممکن نظر نہیں آتی کہ ان ہی کی زبان کو ذریعہ و وسیلہ بنایا جائے ،اسی طرح اپنی علاقائی زبان کو انھی مقاصد کے لئے سیکھنا ایک ضرورت بن گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو انھی مقاصد کے پیش نظر عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا ،آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ مجھے یہود کی تحریر پر اطمنان نہیں ؛اس لئے تم اس کو سیکھ لو ،حضرت زید نے صرف دو ہفتوں میں ان کی زبان اوراس کی تحریر سیکھ لی تھی ۔(الاصابہ:۲/۵۹۳)

ابن سعد نے ان الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے کہ:

" قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّہٗ یَأْتِیْنِيْ کُتُبٌ مِّن أُنَاسٍ لَا أُحِبُّ أَنْ یَقْرَأَھَا أَحَدٌ، فَھَلْ تَسْتَطِیْعُ أَنْ تَعَلَّمَ الْعِبْرَانِیَّۃَ ، أَوْ قَالَ:السُّرْیَانِیَّۃَ ؟ فَقُلْتُ : نَعَمْ ، قَالَ: فَتَعَلَّمْتُھَا فِيْ سَبْعَ عَشَرَۃَ لیلۃً "

(حضرت زید کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں، میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی ان پر مطلع ہو، کیا تم سے یہ ہو سکے گا کہ عبرانی زبان سیکھ لو، یا یہ فرمایا کہ سریانی زبان سیکھ لو؟ کہتے ہیں کہ میں نے ''ہاں'' کہا اور سترہ دنوں میں میں اس کو سیکھ لیا)۔

(طبقات ابن سعد:۳۵۸/۲)

اگر آج ہم نے اس کی طرف توجہ نہ کی تو اس کے دو نقصانات واضح ہیں: ایک تو یہ کہ ہم امت تک دین کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہ جائیں گے جو کہ ہماری ذمہ داری ہے، دوسرے یہ کہ انگریزی تعلیم یافتہ لوگ محض زبان دانی کی بنیاد پر دینی رہبر و قائد بن کر کھڑے ہو جائیں گے اور اپنی جہالتوں سے امت کو گمراہ کرتے رہیں گے، مگر علماء کا طبقہ زبان نہ جاننے کی وجہ سے اس کا کوئی تدارک نہ کر پائے گا۔ چنانچہ آج بعض علاقوں میں یہ صورت حال بھی پیدا ہوگئی ہے کہ بعض گمراہ یا جاہل لوگ اسلام کی دعوت وتبلیغ کے نام سے انگریزی زبان میں لوگوں کو متأثر کر رہے ہیں اور عوام الناس ان پر علماء سے زیادہ اعتماد کرنے لگے ہیں، بلکہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ یہی لوگ حقیقی معنے میں علماء ہیں، جبکہ ان لوگوں

کو علم و دین سے کوئی درو کار نہیں۔ یہ دراصل زبان کی طاقت ہے۔

حضرت قاسم العلوم نانوتوی کا واقعہ

اس سلسلہ میں ہوسکتا ہے کہ بہت سارے حضرات کو یہ سن کر بے حد تعجب معلوم ہو کہ قاسم العلوم حضرت مولانا نانوتویؒ نے خود ایک موقعہ پر انگریزی زبان سیکھنے کا عزم فرمالیا تھا مگر اس کے بعد جلد ہی وفات ہو جانے سے یہ خواہش آپ کی پوری نہیں ہوسکی۔

چنانچہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس سلسلہ کی ایک دلچسپ بات وہ ہے جسے براہ راست اس فقیر نے مولانا حافظ محمد احمد مرحوم سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے سنی تھی، اپنے والد مرحوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم کے متعلق یہ قصہ بیان کرتے تھے کہ آخری حج میں جب جارہے تھے تو کپتان جہاز نے جو غالباً کوئی اٹالین تھا، عام مسلمانوں کے اس رجحان کو جسے مولانا کے ساتھ عموماً وہ دیکھ رہا تھا یہ دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ حجاج میں کوئی انگریزی جاننے والے مسلمان بھی تھے، انہوں نے کپتان سے مولانا کے حالات بیان کئے، اس نے ملنے کی خواہش ظاہر کی، وہاں کیا تھا، مولانا بخوشی کپتان سے ملے، کپتان نے اجازت چاہی کہ کیا مذہبی مسائل پر گفتگو کرسکتا ہوں؟ مولانا نے اسے بھی منظور فرمالیا، وہی انگریزی خواں صاحب ترجمان بنے، کپتان پوچھتا تھا اور مولانا جواب دیتے تھے، تھوڑی دیر کے بعد مولانا کے

خیالات کوسن کر وہ کچھ مبہوت سا ہوگیا اور مولانا کے ساتھ اس کی
گرویدگی اتنی بڑھی کہ قریب تھا کہ وہ اسلام کا اعلان کردے۔
....اس واقعہ کا مولانا محمد قاسم
رحمۃ اللہ علیہ پر اتنا اثر پڑا کہ آپ نے جہاز ہی پر عزم فرمالیا کہ
واپس ہونے کے بعد میں انگریزی زبان خود سیکھوں گا؛ کیونکہ
مولانا کو یہ محسوس ہورہا تھا کہ جتنا اثر کپتان پر براہ راست گفتگو سے
پڑسکتا تھا ترجمان کے ذریعہ وہ بات نہیں حاصل ہورہی ہے؛ لیکن
افسوس ہے کہ اجل مسمیٰ نے واپس آنے کے بعد فرصت نہ دی۔
(بحوالہ تاریخ درس نظامی: ۱۴۷-۱۴۸)

جدید علم الکلام کی ضرورت

ایک اہم نصابی ضرورت جدید علم الکلام کی ہے، جس کے ذریعہ طلباء میں موجودہ دور میں باطل فلسفوں کے خلاف نبرد آزمائی اور مقابلہ کی صلاحیت واستعداد پیدا ہو، جس طرح ہمارے اسلاف نے ان کے زمانے کے باطل فلسفوں اور اِزموں کا رد کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے قدیم علم الکلام کی داغ بیل ڈالی اور اس کو اپنے نصاب کا جزو بنایا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اسی غرض سے "الانتباهات المفيدة فی حلّ الاشکالات الجديدة" تحریر فرمائی تھی۔

فِرَق ضالہ کا تعارف وتعاقب

اسی طرح ایک ضرورت اس کی محسوس ہوتی ہے کہ باطل فرقوں کا اور ان کے

عقائد ونظریات، مراسم وافعال کا تعارف کرایا جائے، اور قرآن وحدیث اور اصول کی روشنی میں ان کے باطل عقائد ونظریات کا محققانہ واصولی جواب وبطلان بھی طلباء کے ذہن نشین کرایا جائے، اور اس قسم کے اسباق کے لئے محاضرات قائم کئے جائیں اور یہ ہفتہ یا پندرہ روز میں ایک دفعہ بھی کافی ہوسکتا ہے۔

نصاب میں سیرت وتاریخ کا اضافہ

ایک چیز جس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے وہ ہے سیرت وتاریخ اسلام کا باب۔ مدارس میں اس سلسلہ میں کوئی قابل ذکر نصاب ہی نہیں ہے، حالانکہ اس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، اور حضرات اسلاف نے اس کی جانب خاصی توجہ دی ہے۔ اور خود حضرات صحابہ کے درمیان واقعات اسلام کو جاننے اور اس کی تعلیم ونقل وروایت کا جو اہتمام تھا اس سے بھی اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت محمد بن سعد بن ابی وقاص اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں:

" كَانَ أَبِي يُعَلِّمُنَا المَغَازِي وَالسَّرَايَا ، و يَقُولُ : يَا بني إِنَّهَا شَرَفُ آبائِكُم فلا تُضَيِّعُوا ذِكرَهَا "

(میرے والد ہمیں مغازی اور سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمہارے آباء واجداد کا شرف ہے، تم لوگ ان کی یادداشت کو ضائع نہ کرو)۔

(سیرت حلبیہ: ۱/۱، محمد رسول اللہ: ۱/۲۰۳)

اور ''مختصر تاریخ دمشق'' میں اسی قول کو محمد بن سعد کے صاحبزادہ اسماعیل بن

محمد کی طرف ذرا سے الفاظ کے فرق کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق: ۱/۲۰۳)

اور حضرت زین العابدین علی بن الحسین رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں کہ:

"كُنَّا نُعَلِّمُ مَغَازِي رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَمَا نُعَلِّمُ السُّورَةَ مِنَ القُرآن" (ہم مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پڑھاتے تھے جس طرح ہم قرآن کی سورت پڑھاتے تھے)۔

(البدایۃ والنھایۃ: ۳/۲۴۲)

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُ کے درس کا جو نصاب تھا اس میں منجملہ اور امور کے ایک حصہ مغازی کا بھی تھا۔ حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنہُ کے شاگرد عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ:

" وَلَقَدْ كَانَ يَجْلِسُ يَوماً مَا يَذْكُرُ فِيهِ إِلَّا الفِقْهَ وَ يَوماً التَّأْوِيْلَ وَ يَوماً المَغَازِيَ وَ يَوماً الشِّعرَ و يوماً أَيّامَ العَرَب" (آپ ایک دن صرف فقہ کا، ایک دن صرف تفسیر کا ایک دن صرف مغازی کا، ایک دن صرف شعر اور ایک دن صرف ایام عرب کا بیان کرتے تھے)۔

(طبقات ابن سعد: ۲/۳۶۸)

یہی نہیں بلکہ سیر و مغازی کی تعلیم کے لئے اساتذہ کا تقرر بھی ہوتا تھا، حضرت قتادہ بن النعمان رَضِیَ اللہُ عَنہُ کے پوتے حضرت عاصم بن عمر رَحِمَہُ اللہُ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ نے جامع مسجد میں سیر و مغازی اور مناقب و

فضائل صحابہ کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا تھا، جس کا ذکر ابن حجرؒ نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

" كَانَ رَاوِيَةً لِلعِلْمِ وَلَهُ عِلْمٌ بِالمَغَازِيْ وَالسِّيَرِ، أَمَرَهُ عُمَرُ بنُ عَبْدِ العَزِيزِ أنْ يَجْلِسَ فِي مَسجِدِ دِمَشقَ فَيُحَدِّثُ الناسَ المَغازيَ ومَنَاقِبَ الصَّحَابَةِ فَفَعَلَ"(آپ علم کے روایت کرنے والے تھے اور مغازی کا بھی آپ کو علم تھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ دمشق کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب صحابہ کی تعلیم دیں)۔

(تہذیب التہذیب: ۴۸/۵)

الغرض سیر ومغازی کی تعلیم بھی ایک مہتم بالشان کام ہے جس کی جانب توجہ اہل مدارس کو دینا چاہئے، اور اسلاف کے طریقہ کے مطابق اس کا خصوصی اہتمام بھی ہونا چاہئے۔

کتابت وتحریر کی مشق

ہمارے نصاب میں ایک خاص ضرورت تعلیم کتابت بھی ہے جس کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی، حالانکہ اسلاف نے بچپن ہی سے بچوں کو اس کی مشق کرانے کی ہدایت دی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے اپنے امیروں کے نام یہ فرمان جاری فرمایا تھا کہ:

"وَعَلِّمُوا صِبيَانَكُم الكِتَابَةَ والسِّبَاحَةَ" (اپنے

بچوں کو کتابت اور تیرا کی سکھاؤ)۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۹/۹)

اور تو اور خود نبی کریم صَلَّی اللہ عَلیہ وَسَلَّم نے اس کا خاصا اہتمام فرمایا ہے، جس کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر میں جن کفار کو قیدی بنا کر لایا گیا تھا ان میں سے بعض تو فدیہ دیکر رہا ہو گئے تھے اور جو فدیہ نہ دے سکے تھے اور لکھنے سے واقف تھے، ان کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللہ عَلیہ وَسَلَّم نے یہ طے فرمایا کہ یہ لوگ بطور فدیہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ:

" كَانَ فِدَاءُ أَسَارىٰ بَدْرٍ أَرْبَعَةَ آلَافٍ إِلىٰ مَا دُونَ ذٰلِكَ ، فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِندَهُ شَيْءٌ أَمَرَ أَنْ يُعَلِّمَ غِلمَانَ الأنصَارِ الكِتَابَةَ " و في روايةٍ :" أنْ يُعَلِّمَ عَشرَةً مِنَ المُسْلِمِينَ الكِتَابَةَ " ۔ (غزوۂ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چار ہزار درہم اور اس سے کم تھا، پس جس قیدی کے پاس کچھ نہیں تھا، اس کو حکم دیا گیا کہ وہ انصار کے لڑکوں کو کتابت سکھا دے، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دس مسلمانوں کو کتابت سکھا دے)۔

(طبقات ابن سعد:۲۲/۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صَلَّی اللہ عَلیہ وَسَلَّم کو اور اسی طرح حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنہُ کو اس کا بڑا اہتمام تھا کہ بچوں کو کتابت سکھائی جائے۔ نیز اس کی ضرورت ویسے بھی مشاہد ہے اور اسی لئے محدثین نے بھی تحسین خط کی ترغیب میں اپنی کتابوں میں ابواب قائم کئے ہیں، جس سے ان حضرات کے نزدیک اس کی

اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مضمون نگاری کی مشق

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی قابل توجہ ہے کہ طلباء کو جس طرح تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے اسی طرح تحریر کی مشق بھی کرانی چاہئے ،تا کہ آج صحافت کی دنیا پر جوالحاد ودہریت اور جدیدیت کا قبضہ ہو چکا ہے اوراس کی وجہ سے عوام الناس ہر وقت علماء مخالف ودین مخالف تحریرات و بیانات پڑھ کر ذہناً وفکراً ان سے مرعوب و متأثر ہوجاتے اور علماء و مدارس سے بلکہ دین وشریعت ہی سے بے زار ہوجاتے ہیں، اس صورت حال کا تدارک کیا جاسکے۔

آج عام طور پر علماء کے اس میدان سے ہٹ جانے کی وجہ سے الحاد و دہریت زدہ لوگوں کا اس پر پوری طرح راج نظر آتا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ پروفیسر بشیر حسین جو عام طور پر ''روزنامہ سالار'' وغیرہ اخبارات میں علماء مخالف ودین مخالف بیانات دینے کے عادی تھے،انہوں نے آج سے تقریباً تیرہ چودہ سال قبل اپنے چند مضامین میں مسلم پرسنل لاء اور شریعت کے احکامات پر سخت اعتراضات کئے ۔اس وقت احقر نے ''سالار اخبار'' ہی کے ذریعہ ان کا کئی قسطوں میں جواب لکھا اور روزنامہ سالار نے بھی پوری اہمیت کے ساتھ اس کو شائع کیا، جب میرا یہ مضمون شائع ہوا تو اس کے بعد وہی پروفیسر بشیر حسین نے سالار ہی میں یہ لکھا کہ ''میں سالہا سال سے اخبارات میں لکھ رہا ہوں مگر یہ پہلا موقعہ ہے کہ کسی عالم نے میرا جواب لکھا ہو''۔

اس سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آج صحافت کی دنیا پر اسی قسم کے لوگوں کا

تسلط ہے اوران کا جواب بھی دینے والا کوئی نہیں، اگر بروقت ان کا تعاقب کیا جائے تو یہ ضرور میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، چنانچہ الحمدللہ میرے اس جواب کے بعد ان پروفیسر صاحب کا منہ ایسا بند ہوا کہ آج تک کھل نہیں سکا۔

نظام تعلیم

دوسری بات نظام تعلیم کی اصلاح کے بارے میں ہے، آج جو نظام تعلیم مروج ہے، اس میں اپنی بے شمار خوبیوں کے باوجود بعض خامیاں واضح طور پر محسوس کی جاتی ہیں، جن کی اصلاح کی طرف توجہ دینا از حد ضروری ہے۔

طلبہ سے محنت کرانے کا اہتمام

ایک یہ کہ عام طور پر عربی جماعتوں میں ساری محنت اساتذہ کرتے ہیں اور مطالعہ وتحقیق کے سارے مراحل یہی حضرات طے فرماتے ہیں اور پھر اپنی علمی استعداد کے مطابق طلباء کے سامنے اپنی تحقیقات وتدقیقات کا خلاصہ اور نچوڑ پیش کردیتے ہیں، اس کے برخلاف طالب علم نہ مطالعہ کرتا ہے اور نہ کوئی علمی صلاحیت پیدا کرنے کی محنت کرتا ہے، اور نہ سبق ہی کا کوئی خاص اہتمام والتزام کرتا ہے، اس صورت حال کا جو نقصان طلباء کے حق میں رونما ہوتا ہے وہ کسی بھی ذی عقل وہوش پر مخفی نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے والد حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

> ''میرے والد صاحب مدارس کے موجودہ طرز تعلیم کے بہت ہی خلاف تھے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس سے استعداد نہیں بن سکتی کہ

مدرس تو رات بھر مطالعہ دیکھے اور سبق میں ساری تقریریں کرے اور
طلباءعظام کا احسان ہے کہ وہ سنیں یا نہ سنیں، ادھر ادھر مشغول رہیں۔
ان کا (یعنی شیخ کے والد کا) مشہور طرز تعلیم یہ تھا کہ سارا بار طالب علم
کے اوپر رہے، وہ مطالعہ دیکھے، سبق کی تقریر کرے، وہ فرماتے تھے کہ
استاذ کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ''ہوں'' کرے یا ''اوہوں''۔

(آپ بیتی: ۸۴/۱)

الغرض یہ موجودہ طریق بالخصوص ابتدائی کتابوں کے لیے انتہائی مضر اور طلباء کی استعداد کے لئے سم قاتل ہے، ہاں جب طالب علم ان ابتدائی مراحل سے گزر کر پختہ استعداد وصلاحیت کا حامل ہو جائے تو تفسیر وحدیث اور فقہ کی بڑی کتابوں میں اس طریق سے کوئی نقصان نہیں۔

درسی تقریر میں طلبہ کی استعداد کا لحاظ

دوسری بات یہ کہ عام طور پر درسیات میں لمبی لمبی تقریر کا رواج ہے جو عام طور پر نفس مضمون اور کتاب کے مشمولات سے کوئی تعلق نہیں رکھتی، بلکہ محض تقریری یا علمی استعداد وصلاحیت جتانے کے لئے پیش کی جاتی ہے اور بعض اوقات یہ بالکل عوامی ذوق کی تسکین کا سامان معلوم ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں طلباء بھی اسی کے عادی ہو جاتے اور علمی ابحاث سے دوری وبعد کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اور بعض حضرات مدرسین کے یہاں فطرت سے بعید اور مضحکہ خیز انداز بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ محض اپنی قابلیت جتانے کے لئے ابتدائی کتابوں جیسے ''نحومیر'' و ''ہدایۃ النحو'' اور ''نور الایضاح'' اور'' قدوری'' وغیرہ میں اتنی لمبی تقریریں، طویل بحثیں اور علماء نحاۃ وفقہاء کے متعدد اقوال اور ان کے اختلافات بیان کر کے طلباء کو

اس کا مکلّف کیا جاتا ہے کہ وہ اس کو یاد کریں اور سنائیں۔

اور یہ ظاہر ہے کہ مبتدی طلباء نہ ان مباحث کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان سے ان کو کوئی معتد بہ فائدہ ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب ''نظام تعلیم و تربیت'' میں ایک لطیفہ بھی ایک معقولی استاذ کا نقل کیا ہے کہ

> ''ایک مشہور معقولی استاذ کا قاعدہ تھا کہ جب سبق پڑھانے بیٹھتے تو ''تھذیب'' میں ''ملا جلال'' کی باتیں اور ''ملا جلال'' میں ''شفاء'' و ''اشارات'' کے مباحث طلباء کے سامنے بیان کیا کرتے تھے، نتیجہ یہ تھا کہ اس درجہ کے طلباء کی سمجھ سے وہ اونچی باتیں باہر ہوتی تھیں؛ اس لئے طلباء جب پڑھ کر اٹھنے لگتے تو استاذ صاحب خود ہی فرماتے کہ ''پڑھانے کو تو میں نے سب پڑھا دیا لیکن میری تقریر میرے مصلے سے باہر نہیں ہوئی، گھوم گھام کر اسی میں رہ جاتی ہے۔
>
> (بحوالہ تاریخ درس نظامی: ۹۹)

رفتار و مقدار تعلیم میں اعتدال

تیسری بات یہ ہے کہ مدارس کے بہت سے مدرسین کا یہ عام معمول ہے کہ سال کی ابتداء میں طول طویل ابحاث اور غیر متعلق باتوں پر زیادہ وقت صرف کر دیتے ہیں اور جب سال کا ایک اچھا خاصا وقت اس کی نذر ہو جاتا ہے تو کتاب ختم کرنے کے لئے کتاب کا بقیہ حصہ محض سرسریت و سطحیت کے ساتھ پڑھا دیتے ہیں، جس کا عظیم نقصان یہ ہے کہ طالبین علوم کتاب و نصاب کے صرف ایک مختصر سے حصے

سے واقف ہوتے ہیں اور باقی ابحاث ومسائل ان کے لئے بالکل اجنبی ہوتے ہیں؛ لہذا غیر ضروری اور منتہی طلباء کے لائق ابحاث و مسائل کونظر انداز کرتے ہوئے نصاب یا کتاب کے کم از کم اکثر ومعتد بہ حصے سے طالبین کوخوب اچھی طرح واقف کرادینے کا پورا پورا اہتمام ہونا چاہئے۔اوراس کے لئے مقدار تعلیم اور رفتار تعلیم میں اعتدال رکھنے کی ضرورت ہے۔

نصاب کے تمام ابواب سے طلبہ کو روشناس کرانے کی ضرورت

چوتھی بات یہ ہے کہ مدارس میں جو نصاب مقرر کیا گیا ہے اس میں ایک ہی فن کی متعدد کتب کی تدریس میں ایک بہت ہی سنگین غلطی یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھایا جاتا ہے اور عموماً اس کا درمیانی وآخری حصہ، اور بعض جگہ آخری حصہ متروک ہو جاتا ہے، خواہ اس کی وجہ کچھ بھی ہو؛ لیکن اس کا نقصان شدید ہے؛ کیونکہ اس سے یہ ہوتا ہے کہ طلباء ہر فن کے ابتدائی مسائل ومضامین یا ہر کتاب کے صرف شروع کے ابواب سے واقف ہوتے ہیں اور بعد کے مضامین و ابواب سے بالکل کورے ونا کارہ ونا واقف ہوتے ہیں۔

مثلاً فقہ کی کتابوں میں سے ہر کتاب میں طالبین کو کتاب الطہارت سے کتاب النکاح یا اس سے کچھ آگے تک کے ابواب پڑھا دئے جاتے ہیں مگر کتاب البیوع، کتاب الاجارۃ، کتاب الشفعہ ،اور کتاب القضاء، وغیرہ بہت سے اہم ابواب بالکل نہیں پڑھائے جاتے ،جس کے نتیجہ میں طلباء ان ابواب کی حقیقت تو دور کی بات ہے، ان کے ناموں تک سے ناواقف ہوتے ہیں بلکہ مزید یہ کہ یہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی عموماً ان سے ناواقف ہی رہ جاتے ہیں۔

اس پر ایک دلچسپ لطیفہ یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ ایک مولانا میرے پاس آئے

اور بات چیت کے دوران کہا کہ مسجد سے قرآن چرانا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ اس میں کیا اشکال ہے؟ یہ مسئلہ تو بالکل واضح ہے کہ چوری حرام و ناجائز ہے۔ تو کہنے لگے کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ دار العلوم میں پڑھتے وقت یہ مسئلہ درس ہدایہ میں آیا تھا کہ مسجد سے قرآن کی چوری جائز ہے۔

ہدایہ میرے سامنے ہی رکھی ہوئی تھی، میں نے کہا کہ یہ لیجئے ہدایہ، اس میں تلاش کیجئے، اگر مل گیا تو چوری کی بڑی اچھی دلیل ہاتھ آجائے گی۔ یہ کہکر میں ان کو دیکھتا ہوا بیٹھا رہا اور وہ ہدایہ کے اوراق اُلٹ پلٹ کرنے لگے، کچھ دیر کے بعد ایک صفحہ پر ان کی نگاہیں جم گئیں اور وہ بڑے غور سے مطالعہ کرنے لگے تو میں سمجھا کہ شاید کچھ مل گیا ہو؛ لہذا میں جو ان کے قریب بازو ہی بیٹھا ہوا تھا، کتاب میں جھانک کر دیکھا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ وہ کتاب الحج کے ''باب القِران'' کو پڑھ رہے تھے۔ میں نے کہا کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو فرماتے ہیں کہ میں ''باب القُرآن'' دیکھ رہا ہوں کہ شاید اس میں وہ مسئلہ مل جائے۔ میں نے کہا کہ ''لاحول ولا قوۃ''، یہ تو ''باب القُرآن'' نہیں، بلکہ ''باب القِران'' ہے، جو کتاب الحج کا ایک باب ہے، اس میں وہ مسئلہ آپ کو کیسے مل جائے گا؟

اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ اگر طلباء کو تمام ابواب سے واقف نہیں کرایا جائے گا تو ان کا یہی حال ہوگا کہ وہ ابواب کے نام بھی صحیح نہیں بتاسکیں گے۔

تعلیم کے لئے اچھے طلبہ کا انتخاب

ایک بات یہ ہے کہ آج عام طور پر مدارس میں ہر قسم کے طلباء کا بلا کسی امتیاز کے داخلہ بھی لے لیا جاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ طالب علم داخلہ کے لائق بھی ہے یا

نہیں؟ اور مزاج میں سلامتی بھی ہے یا نہیں؟ اسی طرح ہر طالب علم کو ہر قسم کی تعلیم اس کے حسبِ طلب دیدی جاتی ہے اور یہ بات قطعاً نہیں دیکھی جاتی کہ اس کی مانگ کے مطابق تعلیم دیے جانے کے یہ قابل بھی ہے یا نہیں؟

اس صورت حال کے دو نتیجے سامنے آرہے ہیں: ایک تو یہ کہ اگر طالب علم بالکل ناکارہ ہوتا ہے اور مزاج میں شر ہوتا ہے تو ایسے لوگ تعلیم پانے کے بعد امت کے حق میں مفید بننے کے بجائے مضر اور دین اسلام کے داعی بننے کے برخلاف دین کے لئے ایک بدنما داغ بن جاتے ہیں، اور دوسرا یہ کہ اساتذہ کی اکثر محنت رائیگاں اور ضائع جاتی ہے، محض نام ہو جاتا ہے کہ فلاں مدرسے میں اتنے اور فلاں میں اتنے طلباء پڑھتے ہیں، جبکہ ان میں سے بیشتر محض پڑے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم محدث دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے ہیں کہ مدارس میں بعض طلبہ تو پڑھنے آتے ہیں اور بہت سے تو پڑے رہنے کے لئے آتے ہیں۔

لہذا مدارس کو امت کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے ضروری ہے کہ محض طلباء کی کثرت کا لحاظ نہ کیا جائے بلکہ عمدہ اور بہتر طلباء کا انتخاب کرنے کی ممکنہ کوشش کی جائے۔

اس سلسلہ میں ہمارے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وائمہ کے یہ اقوال رہنمائی کے لئے کافی ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: " لَا تَطْرَحُوا الدُّرَّ فِي أَفْوَاهِ الْكِلَابِ "(کتوں کے منہ میں موتی نہ ڈالو) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کی مراد اس سے فقہ ہے۔

(المحدث الفاصل: ۱/۴/۱۵۷)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: " أَكْثِرُوا الْعِلْمَ ولا تَضَعُوه فِيْ غَيْرِ أَهْلِهِ كَقَاذِفِ اللُّؤلؤِ إِلى الْخَنَازِيْرِ "(علم زیادہ کرو، مگر اس کو خنزیر کی طرف موتی پھینکنے والے کی طرح نااہل کے پاس نہ رکھو)۔

(المحدث الفاصل: ۱/۴/۵۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

" يَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ! لَا تَتَكَلَّمُوْا بِالْحِكْمَةِ عِنْدَ الْجُهَّالِ فَتَظْلِمُوْهَا، وَلَا تَضَعُوْهَا عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِهَا فَتَكْتُمُوْهَا "(اے بنی اسرائیل! حکمت کی بات جاہلوں کے سامنے بیان نہ کرو؟ کیونکہ اس سے تم اس کو گھٹا دو گے اور نا اہل کے پاس یہ نہ رکھو کہ تم اس کو چھپا دو گے)۔

(الالماع: ۱/۲۳۳)

امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ:

" إنَّ لِلحَدِيثِ آفَةً وَنَكْداً وهُجْنةً ، فآفته نِسْيَانُهُ وَنَكْدُه الكَذِبُ وهُجْنتُه نَشرُه عِنْدَ غَيرِ أَهْلِه" (حدیث کے لیے ایک آفت اور ایک کمی اور ایک بربادی ہے: آفت تو اس کو بھولنا ہے اور کمی اس میں جھوٹ کہنا ہے اور اس کی بربادی اس کو نااہل کے سامنے پیش کرنا ہے)۔

(الالماع: ۱/۲۱۹، المحدث الفاصل: ۱/۵۷)

امام اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

"آفَةُ الحَدِيثِ النِّسيَانُ وَإِضَاعَتُهُ أَنْ تُحَدِّثَ بِهِ غَيرَ أَهلِه "(حدیث کے لئے آفت بھول ہےاور اسکو ضائع کرنا یہ ہے کہ نا اہل سے بیان کی جائے)۔

(المحدث الفاصل:۵۷۱)

امام ابوجعفر رَحِمَہُ اللہُ نے اپنے شاگرد حضرت جابر کو نصیحت کی کہ:

" يا جَابِرُ! لَا تَنْشُرِ الدُّرَّ بَينَ أَرْجُلِ الخَنَازِيرِ، فَإِنَّهُم لَا يَصْنَعُونَ بِه شَيئاً ، وَ ذَلِكَ نَشْرُ العِلْمِ عِندَ مَن لَيسَ لَهُ بِأَهْل "(اے جابر! موتی خنزیر کے قدموں میں نہ پھیلا کیونکہ یہ اس سے کچھ نہیں کر سکتے ،اور اس سے مراد نا اہل کے سامنے علم کا نشر کرنا ہے)۔

(المحدث الفاصل:۵۷۱)

امام اعمش رَحِمَہُ اللہُ نے کہا:

" لَا تَنثُرِ اللُّؤلُؤَ عَلى أَظْلافِ الخَنَازِير يعني الحديثَ " (لولو اور موتی یعنی حدیث کا علم خنزیر کے قدموں میں نہ ڈالو)

ایک روایت میں یوں فرمایا کہ :" أُنظُرُوا إِلى هٰذِهِ الدَّنَانِيرِ، لَا تُلْقُوهَا عَلَى الكَنَايِس يعنى الحديثَ " (ان دیناروں کو دیکھو، انہیں کوڑے دانوں میں نہ ڈالنا)۔

(المحدث الفاصل:۵۷۱)

اسی سلسلہ کا یہ واقعہ بڑا دلچسپ ہے کہ

''امام مجالد کہتے ہیں کہ امام شعبی نے مجھ سے اس گدھے کے بارے میں حدیث بیان کی جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہا، جب میں نے یہ حدیث بیان کی تو میرے سے سننے والوں میں سے بعض امام شعبی کے پاس اس کی تحقیق کے لیے آئے اوران سے اس کے بارے میں پوچھا تو امام شعبی نے کہا کہ:'' مَا حَدَّثْتُ بِهٰذَا الحَدِيثِ قَطّ''،(میں نے تو کبھی یہ حدیث بیان ہی نہیں کی)اب وہ لوگ میرے پاس آئے اور امام شعبی کی بات نقل کی اور پھر میں ان کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حدیث مجھ سے بیان نہیں کی تھی؟ تو آپ نے فرمایا کہ:'' أُحَدِّثُكَ بِحَدِيْثِ الحُكَمَاءِ وَ تُحَدِّثُ بِهِ السُّفَهَاءَ؟ (میں تو تمہیں حکماء کی حدیث سناؤں اور تم اس کو لیجا کر بے وقوفوں سے بیان کرو)

(الجامع لاخلاق الراوی:۱/۳۳۵،المحدث الفاصل :۵۷۱)

ان سب اقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم دین پڑھانے کے لئے طلباء کا انتخاب نہایت ضروری ہے، ورنہ علم ضائع ہوگا اور امت اس سے فتنے میں مبتلا ہوگی ،جیسا کہ مشاہد ہے۔

مدارس میں دو قسم کا نصاب ہونا چاہئے

لہٰذا مدارس میں دو قسم کا نصاب ہونا چاہئے :ایک اصلاحی وتربیتی نصاب جو ہر طالب کے لئے مفید ہوسکتا ہے تا کہ اس کی اصلاح ہو اور وہ ایک اچھا اور دیندار

مسلمان بن جائے، اوراس کے بعد وہ اپنے دنیوی کاموں میں لگ جائے، اور دوسرا نصاب وہ جو عام طور پر مدارس میں رائج ہے جس کو پڑھ کر ایک شخص عالم دین اور ملت کا رہنما بنتا ہے، یہ نصاب ذہین وفطین اور شریف ونیک طبع طلباء کے لئے خاص ہو۔

تبدیلیٔ مدرسہ تصدیق

اس سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ عام طور پر ہمارے مدارس میں طلباء کے ایک مدرسے سے دوسرے مدرسے کو منتقلی کے لئے ''تصدیق'' کا رواج نہیں ہے جس کا نقصان یہ ہے کہ نا اہل و ناکارہ اور بد مزاج وشریر طلباء ایک مدرسے سے دوسرے مدرسہ کو جب چاہتے ہیں منتقل ہوتے رہتے ہیں، اگر ایک مدرسے میں ان کی تعلیم یا اصلاح کے لئے ان پر سختی کی گئی تو فوراً وہاں سے راہِ فرار اختیار کرتے اور دوسرے مدرسے میں بآسانی داخلہ لے لیتے ہیں، اور مزید یہ کہ دوسرے مدرسے میں وہ اپنا کوئی قصور نہیں بتاتے بلکہ سابق مدرسے کا قصور بتا کر داخلہ لیتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی عمر بھر نہ تعلیمی لیاقت ہی درست ہوتی ہے اور نہ اصلاح ہی ہوتی ہے، اسی طرح وہ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ہوتے ہوتے فارغ التحصیل بھی ہو جاتے ہیں، اور اپنی تعلیمی کمزوریوں کو باقی رکھتے ہوئے ''عالم وفاضل'' کی سند پالیتے ہیں۔

یہ صورت حال جس طرح طالب علم کے حق میں نقصان دہ ہے اسی طرح مدارس کے حق میں بھی سخت مضر ہے؛ لہٰذا یہ مناسب ہے کہ اہل مدارس کسی بھی مدرسے سے آنے والے طالب علم سے تصدیق کا مطالبہ کریں، ورنہ اس کا داخلہ نہ لیں، اوراس کو اپنے منجملہ اُصول کے ایک اصول قرار دیں؛ تاکہ طالب علم کا بھی بھلا ہو اور مدرسے بھی نقصان کی زد سے محفوظ رہیں۔

اس سلسلہ میں ایک اور پہلو بھی قابل لحاظ ہے، وہ یہ کہ اگر طالب علم کو کوئی واقعی عذر ہو اور وہ ایک مدرسہ سے دوسرے مدرسے میں منتقل ہونا چاہے، تو اس سلسلہ میں بھی اعذار کی تصدیق کے بعد مدرسے والوں کو بخوشی وفراخدلی تصدیق دیدینا چاہئے، تاکہ وہ اپنی تعلیم کو جاری رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہ پائے۔ بعض اہل مدارس اس سلسلہ میں بخل سے کام لیتے ہیں جو مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

نظامِ تربیت

تعلیم کے بعد مدارس اسلامیہ کے تربیتی نظام کے متعلق اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں۔

یہ بات ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ مدارس کا قیام محض تعلیم کے لئے نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ساتھ ان کا اس سے بھی اونچا مقصد طلباء کی ذہنی وفکری اصلاح، عملی واخلاقی تربیت بھی ہے؛ اس لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ مدارس دو کاموں کے ذمہ دار ہیں: ایک یہ کہ طلباء میں صلاحیت پیدا کریں اور دوسرے یہ کہ ان میں صالحیت پیدا کریں؛ لہٰذا مدارس کا کام عام اسکولوں اور کالجوں کے لحاظ سے بڑا بھی ہے اور بڑھا ہوا بھی ہے۔

اگرچہ مدارس کی فضاء اور وہاں کا ماحول ہر وارد وصادر کے لئے ''روحانیت و نورانیت'' کا سبق و درس دیتا ہے؛ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ اس سبق و درس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھاتے ہیں جو اپنی سرشت میں خیر، فطرت میں نیکی اور مزاج میں اعتدال کی خوبیوں کے حامل ہوتے ہیں، اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس ماحول میں پلنے والے طلباء کا مزاج وطبیعت بنانے کی بھی فکر کی جائے۔

مدرسہ کی حقیقت

یہاں حضرت اقدس عالم ربانی مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کا ایک بیان نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو مدرسوں کی حقیقت واصلیت اوراسی کے ساتھ ان کے کام وطریق کار پر پوری طرح روشنی ڈالتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں مدرسہ کو پڑھنے پڑھانے اور پڑھا لکھا انسان بنانے کا کارخانہ نہیں سمجھتا، میں مدرسہ کی اس حیثیت کوتسلیم کرنے تیار نہیں ہوں، میں اس سطح پر آنے کو تیار نہیں ہوں کہ مدرسہ اسی طریقہ سے پڑھنا لکھنا سکھانے یا یوں کہنا چاہئے کہ پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کا ایک مرکز ہے جیسے کہ دوسرے اسکول اور کالج ہیں، میں اس کو مدرسہ کے لئے ازالۂ حیثیت عرفی کے مرادف سمجھتا ہوں، یعنی اگر میں مدرسہ کا وکیل ہوں یا میں خود مدرسہ بن جاؤں تو میں اس پر ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ قائم کرسکتا ہوں، اگر کوئی مدرسہ کو صرف اتنا حق دینے اور مدرسہ کو صرف اتنا ماننے کے لئے تیار ہے کہ ''صاحب! جیسے پڑھنے لکھنے کا، ہنر سکھانے کے لئے بہت سے کارخانے ہیں، بہت سے مرکز ہیں، کوئی اسکول کہلاتے ہیں، کوئی کالج کہلاتے ہیں، ان کے مختلف معیار اور مختلف سطحیں ہیں، اسی طریقہ سے مدرسہ بھی عربی زبان یا عربی فنون، فقہ اور دینیات، تفسیر یا حدیث سکھانے کا ایک مرکز یا کارخانہ ہے۔

میں مدرسہ کو نائبین رسول وخلافت الٰہی کا فرض انجام دینے والے اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے اور انسانیت کو اپنے تحفظ وبقاء کا راستہ دکھانے والے افراد پیدا کرنے والوں کا ایک مرکز

سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو آدم گری اور مردم سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں۔

(بحوالہ میر کارواں:۱۷۲)

الغرض دینی مدارس عام اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرح نہیں ہیں کہ محض کچھ لکھنے پڑھنے کی قابلیت پیدا کر دی جائے بلکہ ان کا مقصد اس سے بہت اونچا ہے جیسا کہ ملاحظہ کیا گیا، ورنہ تربیت کے بغیر محض تعلیم تو نقصان دہ ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے چند ارشادات بھی سننے کے قابل ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر کتابی علم کامل ہو اور تربیت نہ ہو تو چالاکی اور دھوکہ دہی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، علم بدون تربیت مورث عیاری ہے، نرے پڑھنے پڑھانے سے کیا ہوتا ہے، نرا علم شیطان اور بلعام باعور کا سا ہے، درخت خودرو کہیں ٹھیک نہیں ہوتا، ناہموار اور بعض اوقات بدمزہ رہتا ہے، جب تک باغباں درست نہ کرے، کاٹ چھانٹ نہ کرے، قلم نہ لگاوے۔ ایسے ہی وہ شخص جو محض کتابوں کے پڑھ لینے کو کافی سمجھ بیٹھے، اس کی مثال بعینہ درخت خودرو کی سی ہے جب تک اسے کوئی مربی درست نہ کرے تب تک ٹھیک نہیں ہوتا، بلکہ بددین اور بدعقائد یا بداخلاق ہو جاتا ہے۔

(طریق النجاۃ ومقالات حکمت:۴۰۷)

بہر حال یہ معلوم ہوا کہ مدارس میں تعلیم کے ساتھ تربیت کا خصوصی اہتمام

ضروری ہے، اس سلسلہ میں جن باتوں کی جانب توجہ دیے جانے کی ضرورت ہے ان میں سے بعض اہم امور کی نشاندہی پر اکتفاء کرتا ہوں:

اخلاص کی ضرورت

طلبہ کی تربیت کے سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ انھیں اخلاص نیت کی تعلیم دی جائے۔ حدیث: "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" سب ہی کے پیشِ نظر ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح کی ابتداء اسی حدیث سے فرماتے ہوئے اس طرف رہنمائی کی ہے کہ ہر طالب کو سب سے پہلے اپنی نیت کو درست کرلینا چاہئے۔

قاضی ابن جماعہ نے طالب علموں کے لئے اخلاص وللّٰہیت کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "طالب علم کے لئے علم کی طلب میں دوسری شرط خلوص نیت ہے، یعنی علم کے حاصل کرنے کا مقصد خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کی جستجو، اس کے حکموں پر عمل اور شریعت کو زندہ، دل کو روشن اور باطن کو اُجاگر کرنا ہے۔
>
> (تذکرۃ السامع: ۳۴)

صاحب ہدایہ کے شاگرد علامہ زرنوجی اپنی مشہور عالم کتاب "تعلیم المتعلم" میں لکھتے ہیں:

> "طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تحصیل علم سے رضاء الٰہی اور طلب آخرت، ازالۂ جہل اور احیاء دین کی نیت کرے"۔
>
> (تعلیم المتعلم: ۱۴)

قاضی ابن جماعہ نے اس سلسلہ میں قاضی ابو یوسف کا یہ ارشاد نقل کیا ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ فرماتے ہیں:

''لوگو! اپنے علم سے صرف رضائے الٰہی حاصل کرنے کی نیت رکھو، میں جب کبھی کسی مجلس میں اس نیت سے بیٹھا کہ خاکسار اور متواضع رہوں گا تو ہمیشہ اس مجلس سے سر بلند ہو کر اٹھا اور جب کبھی میری نیت میں فتور آیا اور ہم چشموں میں سر بلند ہونے کا تصور دل میں آیا تو مجھے اس مجلس سے رسوا ہو کر اٹھنا پڑا۔

(تذکرۃ السامع:۳۴)

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:

''إنما يُطْلَبُ الْحَدِيْثُ لِيُتّقٰى به اللّٰهَ ل ، فلِذٰلِك فُضِّلَ عَلَى غَيرِهِ مِنَ العُلُوْمِ ، وَلَوْ لَا ذَلِكَ كَانَ كَسَائِرِ الأشْيَاءِ '' (حدیث اس لئے حاصل کی جاتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ اللہ سے ڈرا جائے ،اور اسی وجہ سے اس کو دیگر علوم پر فضیلت عطا کی گئی ہے، اگر یہ بات نہ ہوتو وہ اور چیزوں کی طرح ایک چیز ہے۔

(جامع بیان العلم:۲۳۴/۱)

اور حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں:

''مَنْ طَلَبَ الْحَدِيْثَ لِغَيْرِ اللّٰهِ مَكَرَ بِهٖ '' (جو غیر اللہ کے لئے حدیث کا علم حاصل کرے اللہ اس کے ساتھ مکر کرتے ہیں یعنی اللہ کی جانب سے اس کو ڈھیل دی جاتی ہے)

(جامع بیان العلم:۲۳۴/۱)

اورحضرت ابراہیم تیمی فرماتے ہیں:

"مَنْ طَلَبَ العِلْمَ لِلّٰهِ ﷻ أعْطَاهُ اللّٰهُ مِنْهُ مَا يَكْفِيهِ "(جواللہ کے لئے علم حاصل کرتا ہے اللہ تعالے اس کواس سے وہ چیز عطاء کرتے ہیں جواس کے لئے کافی ہو)۔

(جامع بیان العلم:۱/۲۳۴)

الغرض طلباء کی اصلاح وتربیت کا آغاز ہی اس بات سے ہونا چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنی نیتوں کو خالص کریں،اورصرف اللہ کی خوشنودی کے لئے علم کی طلب وتحصیل میں لگیں۔

اپنے منصب کا شعور

اس سلسلہ میں دوسری بات یہ ہے کہ طالب علم کواس کی ذمہ داری اورفرائض منصب سے آگاہ کیا جائے؛تاکہ اپنے منصب کی ذمہ داری کا شعور پیدا ہواوروہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے ابھی سے تیار ہوسکے۔

یہ بات واضح ہے کہ طلب علم کی راہ سے طالب علم اہل علم میں شامل وداخل ہوتا ہے،لہذا اس کی ذمہ داری دراصل اہل علم کی ذمہ داری ہے،اورعلماء وارثین انبیاء ہیں؛لہذا ان کے ذمہ وہی سب کچھ ہے جوانبیاءعلیہم السلام کے ذمہ تھا۔

لہذا سب سے اول خودکوعلم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کے بعد ایک طالب علم کی ذمہ داریوں کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) دین اسلام وشریعت کی پوری طرح حفاظت کرے،اس میں کوئی ترمیم وتحریف کوکسی طرح برداشت نہ کرے۔

(۲) دین کی اشاعت وتبلیغ کرے اور دین وشریعت کے پیغام کولوگوں تک پہنچانے اوراس کی دعوت کوعام کرنے کی راہیں بنائے۔

(۳) امت کے اندر دینی شعور واصلاحی جذبہ بیدار کرے تاکہ وہ کج روی کے بجائے صراط مستقیم پر گامزن رہے۔

(۴) امت کو راہ راست پر رکھنے کی بھر پور جد و جہد کرے، تاکہ عقائد واعمال، اخلاق وکردار، معاشرت ومعاملات سب میں وہ شریعت کے دائرے میں رہے، لہذا قرآن وسنت کی تعلیم، ان کے نفوس کے تزکیہ اور قلوب کے تصفیہ کی فکر میں لگا رہے۔

اوران سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمہ وقت وہ ہدایت کے کاموں میں لگا رہے اوراس کے ہر قول وعمل سے پیغام ہدایت جاری ہو۔

ان سب ذمہ داریوں کا ذکر درج ذیل آیات میں ہے:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ:

﴿ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّ نُوۡرٌ ‌ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ﴾ [المائدۃ: ٤٤]

(بلاشبہ ہم نے توارت نازل کی جس میں ہدایت ونور ہے، اس کے یہود کو موافق حکم دیتے ہیں انبیاء جو اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، اور علماء ومشائخ کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کی حفاظت کا ذمہ دیا گیا تھا اور وہ اس پر نگران تھے)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

''یعنی یہ انبیاء اور ان کے دونوں قسم کے نائبین علماء و مشائخ تورات کے احکام جاری کرنے کے پابند اس لئے تھے کہ اللہ تعالی نے تورات کی حفاظت ان کے ذمہ لگادی تھی اور انھوں نے اس کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا تھا''۔

(معارف القرآن:۱۶۰/۳)

اس میں وارثین انبیاء علماء ومشائخ کی ایک اہم ذمہ داری کا بیان ہے،اور وہ ہے کتاب اللہ کی حفاظت،اوراسی میں دین وشریعت کی حفاظت کا بیان آ گیا۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی :

﴿ وَتَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [المائدۃ : ۶۲-۶۳]

(اور آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے میں آگے بڑھتے ہیں، پس برا ہے وہ کام جو یہ کر رہے ہیں، کیوں نہیں ان کے علماء ومشائخ ان کو گناہ اور حرام کھانے سے منع کرتے؟ برا ہے جو یہ کرتے ہیں)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ نے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اصل ذمہ داری ان دو طبقوں پر ہے،ایک مشائخ ،دوسرے علماء، اوراس میں آخر میں فرمایا کہ:" لبئس ما کانوا یصنعون" یعنی

علماء و مشائخ کی یہ سخت بری عادت ہے کہ اپنا فرض منصبی امر بالمعروف ونہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے، قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھتے ہیں۔

نیز لکھا کہ: جس قوم کے لوگ جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہوں گے اور ان کے مشائخ وعلماء کو یہ بھی اندازہ ہو کہ ہم ان کو روکیں گے تو یہ باز آجائیں گے، ایسے حالات میں اگر یہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان جرائم اور گناہوں کو نہیں روکتے تو ان کا جرم اصل مجرموں، بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ اشد ہے، اسی لئے ابن عباس نے فرمایا کہ: مشائخ وعلماء کے لئے پورے قرآن میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کہیں نہیں۔ اور امام تفسیر حضرت ضحاک سے فرمایا کہ میرے نزدیک علماء ومشائخ کے لئے یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے۔

(معارف القرآن: ۱۸۵/۳-۱۸۶)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [السجدة: ۲۴]

(اور ہم نے ان میں امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت دیتے تھے، جبکہ انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین کرتے تھے)

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ

قَبْلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِین﴿ [آلِ عِمرَان : ۱۶۴]

اس آیت میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی کا بیان ہے،لہذا یہی سب کچھ علماء کی ذمہ داریوں میں بھی شامل ہوگا۔

الغرض طالب علم کے سامنے یہ بات واضح ہونا چاہئے کہ اس کو پڑھنے کے بعد کیا کام کرنا ہے،اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

علماء کی ذمہ دریاں

مذکورہ امور کی کچھ تفصیل و تشریح حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے ایک بیان سے ہوتی ہے،لہذا یہاں اس کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔حضرت نے فرمایا کہ:

> ''شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں جتنی نائبان رسول اور علماء و مصلحین اسلام کی جماعت ہے،جسمانی امراض کے طبیبوں کو بھی آرام اور فرصت کا موقعہ میسر آجاتا ہوگا،لیکن ان اطباء روح کے لئے کوئی موسم اعتدال وصحت کا نہیں ؛لیکن علماء حق اور'' قَوَّامِینَ لِلّٰہِ شُھَدَاءَ بِالقِسطِ'' (اللہ کے لئے کھڑی ہو جانے والی اور انصاف کی گواہ) جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت کے زمانے میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے۔کچھ چیزیں ہیں جو حکومت وطاقت و دولت وفراغت ہی کے زمانے میں پیدا ہوتی ہیں اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان

کی نگرانی کریں ، وہ اپنے فریضۂ احتساب ،نگرانی ،اخلاقی اور دینی رہنما کے منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے ۔اس وقت بھی ان کا جہاد اوران کی جدوجہد، جاری رہتی ہے۔

کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک ٹوک کررہے ہیں ؛ کہیں سامان عیش وغفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے ؛ کہیں چوری کی شراب کوگرفتار کیا ہےاوراس کوانڈیل رہے ہیں ؛ کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کوتوڑ رہے ہیں ؛ کہیں مردوں کے لئے ریشم کےلباس اورسونے چاندی کے برتنوں کےاستعمال پر چیں بجبیں ہیں ؛ کہیں بےحجابی ،مردوں اورعورتوں کےآزادانہ اختلاط پر معترض ہیں ؛ کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بداخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کررہے ہیں ؛ کہیں غیر مسلموں اورعجمیوں کی عادات اورخصوصیات اختیار کرنے پر ان کی طرف سے مخالفت ہے ؛ کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کےایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں اور قال اللہ وقال الرسول کی صدا بلند کررہے ہیں اور کبھی خانقاہوں میں یا اپنے گھروں اور مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کررہے ہیں ؛ اللہ کی محبت وطاعت کا شوق پیدا کررہے ہیں ؛ امراض قلب، حسد، تکبر، حرص دنیا، دوسرے نفسانی وروحانی امراض کا علاج کررہے ہیں ؛ کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں اوراسلام کی سرحدوں کی حفاظت، یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کررہے ہیں۔

پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربانی علماء جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے، یا حقیر جھگڑوں میں مشغول نہیں تھے، انہی مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے اور مسلمانوں کا کوئی دور حکومت ان علماء حق اور ان کی جد و جہد سے خالی نہیں رہا۔"

(خطبات علی میاں: ۶/ ۲۲۳-۲۲۴)

عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ مدارس کے بہت سے طلباء کو ان کا مقصد حیات و منشأ تعلیم کا کوئی علم نہیں ہوتا، اور وہ بس یوں ہی پڑھتے ہیں اور اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو اس کام کے لئے تیار نہیں کر پاتے جو ان کا نصب العین اور ان کی ذمہ داری ہے؛ اس لئے وقتاً فوقتاً اس کا تذکرہ اور اس کے افہام و تفہیم کا سلسلہ رہنا چاہئے۔

اصلاح ظاہر و باطن کی فکر

طلبہ کی تربیت کا بہت ہی اہم پہلو ان کے ظاہر و باطن کی اصلاح و نگرانی سے متعلق ہے؛ کیونکہ یہی مقصود بالعلم ہے، اگر یہ نہ ہو تو علم کا کوئی فائدہ ہی نہیں، اسی لئے سلف صالحین نے اس سلسلہ میں بڑی توجہ فرمائی ہے۔

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الإلماع إلى معرفة أصول الرواية والسماع" میں اپنی سند سے حضرت امام زہری کا یہ قول نقل فرمایا کہ:

"إن هذا العلم أدب الله الذي أدّب به نبيَّه عليه السلام، و أدَّب به نبيُّه أمتَه" (یہ علم اللہ کی طرف سے ایک ادب ہے جس کے ذریعہ اللہ نے اپنے نبی کو ادب سکھایا اور

نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو ادب سکھایا)۔

(الالماع:۱/۲۱۳)

حضرت حبیب بن شہید رحمہ اللہ اپنے صاحبزادے سے فرماتے ہیں:

''بیٹا! حصول علم کے ساتھ صحبت علماء وفقہاء اختیار کر، ان سے تعلیم حاصل کر، تہذیب اور ادب سیکھ، یہ میرے نزدیک حدیث کے زیادہ علم سے بہتر ہے۔

(تذکرۃ السامع:۴)

نیز لکھا ہے کہ بعض علماء نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ:

" يا بني ! لأن تتعلّم باباً من الأدَب أحَبُّ إليّ مِن أن تتعلّم سبعين باباً من أبواب العلم" (اے بیٹے! تو ادب کا ایک باب حاصل کرے، یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ تو علم کے ستر ابواب حاصل کرے)

(تذکرۃ السامع والمتکلم:۴)

ابن سیرینؒ اپنے اسلاف اور اساتذہ اور مشائخ کا طریق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''لوگ جیسے علم حاصل کرتے تھے، ویسے ہی سیرت اور اخلاق بھی حاصل کرتے تھے''۔ بعض بزرگوں کا قول ہے ''تہذیب اور ادب کا ایک باب پڑھنا علم کے ستر بابوں کے پڑھنے سے افضل ہے''۔ اور حضرت مخلد بن حسین کا ارشاد ہے کہ ''ہم لوگ حدیثیں زیادہ حاصل کرنے کے بجائے حسن ادب حاصل کرنے کے زیادہ محتاج ہیں''۔ (تذکرۃ السامع:۴-۵)

آج عام طور پر اہل مدارس نے اس پہلو کو اس طرح نظر انداز کر دیا ہے کہ گویا

یہ کوئی غیر ضروری اور فضول کام ہے، بلکہ اکثریت کا حال یہ ہے کہ صرف سبق پڑھا دینے کے سوا اپنی کوئی ذمہ داری ہی نہیں سمجھتے کہ طلباء تعلیم کے مطابق اپنے آپ کو بنانے اور سنوارنے کی عملی مشق بھی کرتے ہیں یا نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض مدارس کے اساتذہ بھی بد عملی و بد اخلاقی کا شکار ہوتے ہیں، وہ بھلا کہاں اس کی طرف توجہ دیں گے؟

لہٰذا ضروری ہے کہ اہل مدارس اس پہلو سے بھی غور کریں، اور طلباء کو علمی اعتبار سے بھی تیار کریں اور عملی واخلاقی اعتبار سے بھی تیار کریں۔

اس لحاظ سے جن باتوں کی طرف توجہ دینا چاہیئے ان میں سے بعض ظاہر سے متعلق ہیں اور بعض باطن سے متعلق ہیں۔

اصلاح ظاہر سے متعلق اہم امور یہ ہیں:

(۱) لباس اور وضع قطع

پہلی بات یہ ہے کہ طلباء کے لباس اور وضع قطع کی خوب نگرانی رکھی جائے۔ بعض مدارس میں اس جانب کوئی توجہ نہیں دی جاتی، بلکہ اس کو فضول سمجھا جاتا ہے، اور اس سلسلہ میں طلباء کو بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے وہاں کے طلباء ہر قسم کا لباس پہنتے ہیں اور داڑھیاں کٹاتے ہیں، ٹخنے سے نیچے پاجامہ پہنتے ہیں، یہاں تک کہ اس کے عادی ہوتے ہوتے وہ ان حرام کاموں کو جائز بھی سمجھنے لگتے ہیں، کیونکہ ان کو کسی نے ان پر تنبیہ نہیں کی، اور پھر اسی وضع قطع کے ساتھ جب عوام میں جاتے اور کہیں خدمت کرتے ہیں تو عوام ان پر نکیر کرتے ہیں اور یہ اپنی شان باقی رکھنے کے لئے تاویل سے یا غلط فتوے سے کام لیتے ہیں؛ لہٰذا شرعی لباس

اور شرعی وضع قطع کا ان کو پابند بنانے کے لئے نگرانی ضروری ہے۔

(۲) صفائی وسلیقہ مندی کی تربیت

اسی طرح ایک بات یہ ہے کہ طلباء کی تربیت کے لئے ان کے ظاہر کی صفائی وستھرائی کا اہتمام کرایا جائے۔ اسلام میں اس کی اہمیت کا سبھی کو علم ہے اور حدیث: "اَلطَّهُوْرُ شَطْرُالْإِيْمَان "(طہارت آدھا ایمان ہے) کس سے پوشیدہ ہے؟ مگر افسوس یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اسلام کو ماننے والوں میں سب سے زیادہ کمی پائی جاتی ہے، اور پھر اہل ایمان میں سے بھی عموماً اہل مدارس میں اس کا ظہور اور زیادہ ہے، جو انتہائی تشویش ناک بات ہے، اور طلباء اس سلسلہ میں عام طور پر سستی وغفلت کا شکار ہوتے ہیں، اور بسا اوقات اسکولوں کے لوگ اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس صورت حال سے علم واہل علم بلکہ کبھی اسلام ہی سے بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے؛ لہذا بہت ہی ضروری ہے کہ طلباء کو اس کا مکلّف بنایا جائے کہ وہ روزانہ خود اپنی اور اپنی رہائش اور متعلقہ چیزوں کی صفائی کا خوب اہتمام کریں اور اس کے لئے استاذ مقرر کیا جائے جو ان کی اس سلسلہ میں نگرانی کرے، بالخصوص کمسن طلباء کے لئے اس کی نگرانی کا بہت زیادہ اہتمام ہونا چاہئے، مثلاً یہ کہ ان کے رہائش کمرے کی صفائی خود ان ہی سے کھڑے ہو کر کرائی جائے، اور ان کے کپڑوں پر نظر کی جائے کہ صاف ہیں یا نہیں، ان کے ناخنوں اور بالوں کی صفائی پر نظر رکھی جائے۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

> "نظافت مطلوب ہے اس کی ترغیب دی گئی ہے، ارشاد فرمایا کہ:" نَظِّفُوْا أَفْنِيَتَكُمْ ، وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ" کہ اپنے فناء دار کو صاف رکھو اور اس کو میلا کچیلا رکھ کر یہود جیسے نہ بنو، جب

فناء دار تک کی نظافت مطلوب ہے تو خود دار اور حجرہ اور لباس و
بدن کے صاف کرنے کا حکم کیوں نہ ہوگا، اب طالب علموں کی یہ
حالت ہے کہ چاہے دو بالشت کوڑا ان کے حجرہ میں ہو جائے لیکن
یہ کبھی بھی صاف نہ کریں گے۔

(دعوات عبدیت:۳۳/۳۱)

اس سلسلہ میں حضرت اقدس مرشدنا شاہ ابرار الحق صاحبؒ کا ایک عجیب معمول دیکھا، وہ یہ کہ آپ جب کسی مدرسے میں تشریف لے جاتے اور اس کا معائنہ فرماتے تو اولاً وہاں کے استنجاء خانے دیکھتے، اور فرماتے کہ اگر استنجاء خانوں کی صفائی کا اہتمام ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اور جگہوں کا زیادہ اہتمام ہوگا، بندے کو متعدد مواقع پر اس کا موقعہ ملا کہ حضرت والا کے ساتھ بعض مدارس کی زیارت کروں، اور اس وقت حضرت کا یہ معمول دیکھا اور حضرت سے یہ بات سنی۔

اسی طرح یہ بھی اہم ہے کہ انہیں سلیقہ سکھایا جائے، اٹھنے، بیٹھنے، بولنے، چلنے پھرنے، نیز کسی سے بات چیت وملاقات، کسی کو کچھ پیش کرنے وغیرہ سے متعلق سلیقہ کی تعلیم بہت ضروری ہے، عام طور پر اس میں بھی طلباء کوتاہ ہوتے ہیں، اور تربیت نہ ہونے سے اس میں مزید کوتاہی پیدا ہو جاتی ہے؛ لہذا اس کے لیے سبھی اساتذہ کو محنت کرنی چاہیے اور اس کے علاوہ مقرر نگراں کو مستقل ذمہ داری بھی دینی چاہیے کہ وہ روزانہ طلباء کے کمروں اور متعلقہ اشیاء پر ایک نظر ڈالے اور ان کو ترتیب و سلیقہ کے ساتھ رکھنے کی ہدایت دے، تاکہ ان کو اسی کی عادت ہو جائے، ورنہ اس کے بغیر عالم ہو جانے کے باوجود بدسلیقہ لوگ تیار ہوں گے۔

(۳) سنن نبویہ اور اسلامی آداب کی تربیت

اسی میں یہ بھی داخل ہے کہ طلباء کو سنتوں اور اسلامی آداب کا خوگر بنایا جائے، کھانے پینے، سونے جاگنے، مسجد جانے آنے وغیرہ کی جو سنتیں اور آداب اور ادعیہ پڑھے پڑھائے جاتے ہیں اساتذہ اور نگراں حضرات کے ذریعہ اس کی عملی مشق بھی کرائی جائے، اور اس پر بار بار ان کو متنبہ بھی کیا جائے، ورنہ یہ باتیں صرف زبان پر تو ہوں گی مگر عمل میں نہیں آئیں گی، چنانچہ بہت جگہ ان سنن وآداب کو یاد کرانے کے باوجود عملی تربیت سے تغافل برتا جاتا ہے، جس کی وجہ سے طلباء کے ذہنوں میں ان سنن وآداب کی کوئی اہمیت ہی نہیں پیدا ہوتی؛ اس لئے وہ ان کو یاد کر کے سنا بھی دیتے ہیں مگر اس کے مطابق ان کا عمل نہیں ہوتا تو آخر ان سنن وآداب کو پڑھانے کا کیا فائدہ ہوا؟

اصلاح باطن سے متعلق اہم امور یہ ہیں

(۱) تقوی وطہارت:

ایک تو یہ کہ طالب علم کو تقوی وطہارت کی زندگی پر ابھارا جائے، اور ظاہری طہارت کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا اہتمام سکھایا جائے اور اس کی ضرورت واہمیت اس کے سامنے بار بار واضح کی جائے۔ کیوں؟

اس کی وجہ قاضی ابن جماعہ سے سنئے، وہ کہتے ہیں کہ:

" فإِنَّ العِلْمَ - كما قالَ بعضُهم- صَلاةُ السِّرِّ، وعِبادَةُ القَلب ، وقُربَةُ الباطِن ، وكَمَا لَا تَصِحُّ الصلاةُ الّتِي هِيَ عِبادَةُ الجَوارِح الظَّاهِرَةِ إلَّا بِطَهارَةِ الظَّاهِر

مِنَ الحَدَثِ و الخَبَثِ ، فكذلكَ لا يَصِحُّ العِلْمُ الَّذِي هُو عِبادَةُ القَلبِ إِلَّا بطهارتِهِ عَن خبث الصِّفَات وَحدث مَسَاوِئ الأخُلاقِ وَ رِدِيئِهَا "

(کیونکہ علم -جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے- باطن کی نماز، دل کی عبادت، اور باطن کی قربت کا نام ہے، پس جس طرح نماز جو کہ اعضاء ظاہرہ کی عبادت ہے، وہ ظاہری نجاست (جیسے پیشاب، پاخانہ) اور حکمی نجاست (جیسے بے وضو و بے غسل ہونے) سے طہارت حاصل کئے بغیر صحیح نہیں ہوتی، اسی طرح علم جو کہ دل کی نماز ہے وہ بھی صفات کی پلیدی اور برے وگھٹیا اخلاق کی ناپا کی سے دل کو صاف کئے بغیر صحیح ہوتا)

(تذکرۃ السامع :۲۴)

او پر حضرت سفیان ثوریؒ کا یہ ارشاد نقل کر آیا ہوں کہ:

''حدیث اس لئے حاصل کی جاتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ اللہ سے ڈرا جائے، اور اسی وجہ سے اس کو دیگر علوم پر فضیلت ہے، اگر یہ بات نہ ہوتو وہ اور چیزوں کی طرح ایک چیز ہے''۔

لہٰذا اگر تقوی مطلوب نہ ہوتو یہ علم بھی دنیوی علم کی طرح ایک علم ہوگا، اور اس کے طالب کو وہ فضیلت نہ ملے گی جو اس علم کی بیان کی گئی ہے؛ اسی لیے حضرت ابودرداءؓ نے فرمایا کہ:

''وَيَلٌ لِمَن لَا يَعْلَمُ وَلَا يَعْمَلُ مَرَّةً ، وَوَيلٌ لِمَنْ

يَعْلَمُ وَلاَ يَعْمَلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ" (جس نے نہ علم حاصل کیا اور نہ عمل کیا اس کے لئے ایک مرتبہ خرابی ہے اور جس نے علم تو حاصل کیا مگر عمل نہیں کیا اس کے لئے سات مرتبہ خرابی ہے)۔

(جامع بیان العلم:۶/۲)

اور حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا ہے کہ:

" إنما العِلمُ لِيَتَّقِى اللّٰهَ بِه ، و يَعملَ به لآخرتِهِ، و يَصْرِفَ عن نَفْسِه سُوءَ الدُّنيَا والآخِرَةِ ، وإلَّا فَالعَالِمُ كالجَاهِلِ إذَا لَمْ يَتَّقِ اللّٰهَ بعِلمِهِ"(علم تو بس اس لیے ہے کہ اس کے ذریعہ اللہ سے ڈرے اور اپنی آخرت لے لئے عمل کرے اور دنیا اور آخرت کی برائی دور کرے، ورنہ عالم جاہل کی طرح ہے اگر وہ اپنے علم سے اللہ سے نہ ڈرے)۔

(تاریخ بغداد:۲۱۳/۴)

(۲)علم پرعمل:

دوسری اہم چیز علم پرعمل کے لئے تیار کرنا ہے، کیونکہ علم کی غرض وغایت ہی عمل ہے ،اسی لیے بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی ایک سورت ''سورۃ البقرۃ'' بارہ سال میں یا چودہ سال میں مکمل کی ،جیسے حضرت ابن عمرؓ کے بارے میں ہے کہ بارہ سال میں سورۃ البقرہ ختم کی اور ختم پر ایک اونٹ ذبح کیا۔

(تفسیر القرطبی:۴۰/۱)

اور حضرت عثمان ،حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ دس دس آیات پڑھاتے تھے اور دیگر

آیات اس وقت تک نہیں پڑھاتے تھے جب تک کہ ان دس آیات میں جو عمل ہے اس کو نہ سیکھ لیتے، یہ حضرات فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو قرآن اور اس پر عمل دونوں کی تعلیم دیتے تھے۔

(قرطبی:۱/۳۹)

بعض حکماء نے فرمایا:

" لَو لَا العَقْلُ لَم يَكُنْ عِلْمٌ ، ولَوْلَا العِلْمُ لَمْ يَكُنْ عَمَلٌ ، وَلأنْ أدَعَ الحَقَّ جَهْلاً بِهِ خَيرٌ مِنْ أنْ أدَعَهُ زُهْداً فيه" (اگر عقل نہ ہوتی تو علم نہ ہوتا اور اگر علم نہ ہوتا تو عمل نہ ہوتا، اور میں حق کو لاعلمی کی وجہ سے چھوڑ دوں یہ بہتر ہے اس سے کہ میں حق کو اس سے لاپروائی کی وجہ سے ترک کردوں)۔

(جامع بیان العلم:۲/۶)

حضرت حسن بصریؒ عالم کی تعریف ہی یہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے علم پر عمل کرنے والا ہو، وہ فرماتے ہیں کہ:

" العَالِمُ الَّذِيْ وَافَقَ عِلْمُهُ عَمَلَهُ ، وَمَنْ خَالَفَ عِلْمُهُ عَمَلَهُ فَذٰلِكَ رِوَايَةُ حَدِيثٍ سَمِعَ شَيْئاً فَقَالَهُ"(عالم وہ ہے جس کا عمل اس کے علم کے موافق ہو اور جس کا عمل اس کے علم کے خلاف ہو تو وہ بس حدیث کی روایت ہے کہ جو سنا اس کو نقل کردیا)۔

(جامع بیان العلم:۲/۹)

حضرت عبدالملک بن ادریس کے اس سلسلہ میں یہ اشعار بڑے عمدہ ہیں:

والعلمُ لیس بنَافِعٍ أرْبابَہٗ
مَا لَم یُفِدْ عَمَلاً و حُسْنَ تبصُّرِ

(علم اہل علم کو اس وقت تک نفع نہیں دیتا جب تک کہ وہ عمل اور عمدہ بصیرت کا فائدہ نہ دے)

سِیّان عِنْدِيْ عِلْمُ مَنْ لَمْ یَسْتَفِد
عَمَلاً بِہِ وصَلاۃُ مَنْ لَمْ یَطّہِرِ

(میرے نزدیک اس کا علم جس نے علم سے عمل کا فائدہ حاصل نہیں کیا اور بے وضو آدمی کی نماز دونوں برابر ہیں)

امام ابن القاسمؒ نے فرمایا کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا ہے کہ:
" لیس العِلمُ بکثرۃِ الرِّوَایۃ ،إنَّمَا العِلمُ نُورٌ یَضَعُہُ اللّٰہُ فِي القُلُوبِ" (علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے، علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالے دلوں میں رکھتے ہیں)۔

نیز امام مالکؒ نے فرمایا کہ:
" الحِکْمۃُ والعِلْمُ نُورٌ یھْدِي بِہِ اللّٰہُ مَنْ یَشَاءُ ولَیْسَ بِکَثْرَۃِ المَسَائِل "(علم وحکمت ایک نور ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں، اور وہ بہت سارے مسائل کا نام نہیں ہے)۔

(الجامع لبیان العلم:۲/۳۱، الالماع:۱/۲۱۷)

حضرت عبداللہ بن عون کہتے ہیں کہ:
" کانَ الفُقَھَاءُ یَتَوَاصَوْنَ بِثَلاثٍ و یَکْتُبُ

بَعضُهُم إلٰی بَعُض : أنَّهُ مَن أصُلَحَ سَرِیُرَتَهُ أصُلَحَ اللّٰهُ عَلاَنِیتَه و مَن أصُلَحَ مَا بَیُنَهُ و بَیُنَ اللّٰهِ أصُلَحَ اللّٰهُ مَا بَیُنَهُ وَ بَیُنَ النَّاس ، وَمَنُ عَمِلَ لِلآخِرَةِ کَفَاهُ اللّٰهُ الدُّنُیَا"(فقہاء کرام تین وصیتیں فرماتے تھے اوران میں سے بعض بعض کو لکھتے تھے: ایک یہ کہ جس نے اپنی خلوت کا معاملہ درست کرلیا اللہ تعالیٰ اس کی جلوت کا معاملہ درست فرما دیتے ہیں، دوسری یہ کہ جس نے اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ کو درست کرلیا اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملہ کو درست فرمادیتے ہیں، اور تیسری یہ کہ جس نے آخرت کے لئے عمل کیا اللہ اس کی دنیا کے لئے کافی ہوجاتے ہیں)۔

(الالماع:۱/۲۲۲)

الغرض طلباء کو علم کے ساتھ عمل کی طرف توجہ دلانا اور اس کی نگرانی کرتے رہنا ضروری ہے تاکہ وہ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عملی زندگی میں علم کو بروئے کار لانے والے بن سکیں۔

نیز طلباء کرام کو بتایا جائے کہ بدعمل اور بےعمل عالم کے لئے کس قدر وعید شدید وارد ہوئی ہے ،مثلاً یہ حدیث کس قدر ہم کو چونکارہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" مَنُ تَعَلَّمَ عِلُماً مِمَّا یُبُتَغیٰ بِهِ وَجُهُ اللّٰهِ لَا یَتَعَلَّمُهُ إلَّا لِیُصِیُبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنُیَا لَمُ یَجِدُ عَرُفَ الُجَنَّةِ یَوُمَ الُقِیَامَةِ"(جو شخص اس علم میں سے جو صرف اللہ کی

رضا کے لئے حاصل کیا جاتا ہے،اس کو اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس سے دنیا کا سامان کمائے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو نہیں پائے گا)۔

(ابو داود:۳۶۶۴،ابن ماجہ:۲۵۲،احمد:۸۴۳۸،صحیح ابن حبان:۱/۲۷۹،مستدرک حاکم:۱/۱۶۰)

اور یہ حدیث کس قدر لائق توجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے فرمایا کہ:

" تَعَوَّذُوا بِاللّٰهِ مِنَ جُبِّ الْحُزْنِ"(تم لوگ جُب الحزن یعنی غم کے کنویں سے اللہ کی پناہ مانگو)۔

صحابہ نے عرض کیا کہ:" يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَمَا جُبُّ الْحُزْنِ؟ (یارسول اللہ! یہ غم کا کنواں کیا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:" وَادٍ فِيُ جَهَنَّمَ تَتَعَوَّذُ جَهَنَّمُ فِيُ كُلِّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ "(یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس سے خود جہنم بھی روزانہ سو دفعہ پناہ مانگتی ہے)

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ !اس میں کون لوگ داخل ہوں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: " الْقُرَّاءُ الْمُرَاءُ وُنَ بِأَعْمَالِهِمُ ' ' (وہ قراء جو اپنے اعمال سے دکھاوا کریں گے)۔

(ترمذی:۲۳۸۳)

اوراسی حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ اس وادی سے جہنم چار سو مرتبہ روازانہ پناہ مانگتی ہے۔

(ابن ماجہ:۲۵۶،معجم اوسط طبرانی:۲۶۱/۳)

(۳)علمی وقار وشان

ایک بات یہ ہے کہ طلباء کے اندر علمی وقار وشان پیدا کی جائے ،اس سے مراد بڑائی وتکبر نہیں بلکہ چھچھور پن سے حفاظت اوران خصوصیات کو پیدا کرنے کی کوشش ہے جوعلمی وقار کو بلند کرتی ہیں، وہ کیا چیزیں ہیں؟ ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس طرح بیان فرمایا کہ:

" يَنۡبَغِي لِقَارِئِ القُرۡآنِ أنۡ يُعۡرَفَ بِلَيۡلِهِ إِذَا النَّاسُ نَائِمُونَ، وَ بِنَهَارِهِ إِذَا النَّاسُ مُسۡتَيۡقِظُون، و بِبُكَائِهِ إِذَا النَّاسُ يَضۡحَكُون، و بِصَمۡتِه إِذَا النَّاسُ يَخُوضُون، و بِخُضُوعِه إِذَا النَّاسُ يَخۡتَالُون، و بِحُزۡنِه إِذَا النَّاسُ يَفۡرَحُونَ "

(قاری یعنی عالم قرآن کے لئے شایان شان بات یہ ہے کہ وہ اس کی رات (کی عبادت وریاضت سے) سے پہچانا جائے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوں،اوراس کے دن (کی دین کے لئے قربانیوں اور دعوت الی اللہ وتبلیغ شریعت) سے بھی وہ جانا جائے جبکہ لوگ بیدار رہوں اوراس کے (خوف وخشیت سے) رونے کی وجہ سے پہچانا جائے جبکہ لوگ ہنس رہے ہوں اور (غور وفکر کی وجہ سے) اپنی خاموشی سے پہچانا جائے جبکہ لوگ گپیاں مار رہے ہوں اوراپنی تواضع وخاکساری سے

پہچانا جائے جبکہ لوگ ڈینگیں مار رہے ہوں اور اپنے (امت کے اور آخرت کے) غم سے جانا جائے جبکہ لوگ خوشیاں منا رہے ہوں)۔
(تفسیر القرطبی:۱/۲۱)

اگر علماء وطلبہ اس کے بجائے عوام الناس ہی کی طرح گپیاں ماریں، ٹھٹا مار کر ہنستے بیٹھیں، خوف وخشیت کا کوئی اثر ان کے اخلاق واعمال واحوال وآثار سے ظاہر نہ ہو تو یہ کیا علم ہے اور کیا علمی وقار؟ جیسا کہ آج بہت سے علماء نے اس وقار کو چھوڑ کر اور عوامی بلکہ جاہلی طریقہ کو اختیار کر کے اللہ کی نظر میں بھی اور عوام الناس میں بھی اپنا وقار ختم کر لیا ہے؛ لہذا ان سب امور پر طلباء کرام کی فہمائش وتنبیہ ہوتی رہنی چاہیے۔

انتظامیه سے متعلق

قابل توجه امور

آخر میں ''انتظامیہ'' سے متعلق چند اہم باتیں عرض ہیں، یہ تو ظاہر ہے کہ مدارس کی انتظامیہ پورے طور پر مدارس کی ہر بات کی ذمہ دار ہوتی ہے، مدارس کی خوبی اگر اس کی جانب منسوب ہوتی اور اس کا سہرا اس کے سر بندھتا ہے تو اسی طرح مدارس کی ناکامی و برائی، اس کا عیب وکھوٹ بھی لامحالہ اسی کی طرف منسوب ہوگا؛ اس لیے ذمہ داران مدارس جہاں اپنی ذمہ داری کو نباہنے اور اپنی صلاحیت وقوت وطاقت کے صحیح استعمال پر فضیلت وثواب کے مستحق ہیں، وہیں اپنی صلاحیتوں اور قوت وطاقت کے غلط و ناجائز استعمال پر عذاب کے مستحق بھی ہو سکتے ہیں، اور ساری

کاروائیاں رائیگاں بھی جاسکتی ہیں۔

لہذا ذمہ داران مدارس کو بھی اپنے اندر خوف وخشیت ،تقوی و پرہیز گاری، شریعت وسنت کی پاسداری کا پورا پورا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے،تا کہ وہ صحیح طریقہ پر اس اہم ترین کام کوانجام دے سکیں۔

یہاں انتظامیہ سے متعلق چند اہم امور پیش کرتا ہوں:

مدرسین وطلبہ کے اکرام میں کوتاہی

انتظامیہ دوقسم کی ہوتی ہے: ایک غیرعلماء پر مشتمل، دوسری علماء پر مشتمل، اور دیکھنے میں آیا ہے کہ غیرعلماء جو کسی مدرسے کے ذمہ دار ہو جاتے ہیں تو وہاں کے علماء اور مدرسین پر اس طرح حکومت کرتے ہیں جیسے کوئی حاکم ہو، اور علماء کا وقار اوران کی تعظیم وتکریم کا کوئی حق ادانہیں کرتے ، بلکہ بعض جگہ تو ان کے وقار کو مجروح کیا جاتا ہے اوران لوگوں کا عمل دخل ہر چیز میں ہو جاتا ہے،حتی کہ تعلیم وتربیت میں بھی یہ لوگ بے جا مداخلت کرنے لگتے ہیں ،جس کے نتیجہ میں عام طور پر ایسے مدارس ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس لئے اس قسم کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ وہ اپنی حیثیت وقابلیت پر نظر کرتے ہوئے مداخلت کے حدود قائم کریں اوراسی کے ساتھ مدرسے کے اساتذہ و علماء کا وقار قائم رکھیں ،اوران کو اپنا خادم نہیں بلکہ خود کو بھی اوران کو بھی دین کا خادم خیال کریں ،اور تعلیمی وتربیتی امور میں علماء و مدرسین کی رائے کو مقدم رکھیں ،اس سے ان شاءاللہ العزیز مدارس کامیابی کی راہ پر گامزن ہوں گے۔

اور جو مدارس علماء کے زیرنگرانی چلتے ہیں ان میں بھی بعض جگہ وہی قابل نکیر باتیں ملتی ہیں کہ مدرسین واساتذہ کے ساتھ ذمہ دار علماء وہ سلوک کرتے ہیں جو علماء

کے شایان شان نہیں، بلکہ اپنے زیر دستوں اور خادموں کا سا سلوک کرتے ہیں، یہ قابل اصلاح وقابل نکیر بات ہے؛ کیونکہ کوئی مدرس مہتمم کا خادم نہیں ہوتا اور نہ ذمہ داران مدرسہ کا خادم ہوتا ہے بلکہ وہ تو اللہ کے دین کا خادم ہوتا ہے۔

لائق اساتذہ کا انتخاب

دوسری بات یہ ہے کہ مدارس میں ذمہ داروں کی ایک اہم ترین ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اچھے اساتذہ کا انتخاب کریں جو اپنے اندر صلاحیت وصالحیت دونوں عناصر رکھتے ہوں، ان میں ایک طرف اگر علمی استعداد وقابلیت عمدہ ہو، تدریسی صلاحیت اور افہام وتفہیم کی لیاقت ہو تو دوسری جانب ان میں اخلاص وللّٰہیت، تقوی و طہارت، خوف وخشیت، رجوع الی اللہ وانابت، اخلاق حمیدہ وصفات جمیلہ بھی موجود ہوں اور اسی کے ساتھ محنتی ومجاہد مزاج ہوں تا کہ طلباء کی تعلیم وتربیت کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے وہ پوری کی جا سکے، اگر ایسا نہ کیا گیا اور قابل اساتذہ کی جگہ ناکارہ اساتذہ اور غلط کار استادوں کو رکھا گیا تو اللہ کے یہاں اس کی باز پرس ہونے کے علاوہ مدرسہ کے قیام کا مقصد ہی پورا نہ ہوگا، مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض جگہ کے اساتذہ کی تعلیمی قابلیت یا عملی صلاحیت دیکھ کر رونے کو جی چاہتا ہے، اور بہت جگہ یہ صورت حال بھی دیکھنے میں آتی ہے کہ اساتذہ میں تعلیمی صلاحیت تو خوب ہے مگر تقوی وطہارت اور عمل واخلاق سے بے بہرا ہیں، یا ان کا انداز وطور طریقہ سوقیانہ یا جاہلانہ ہے، یا تہذیب وشائستگی سے دور ہیں۔ بھلا ایسے لوگوں سے طلباء کی تربیت کس طرح ہو سکے گی؟ اور وہ ان کو کس طرح قابل وصالح، با اخلاق وباکردار بنا سکیں گے؟ جب یہ خود محتاج اصلاح ہیں تو دوسروں کی کیا اصلاح کر سکیں گے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ طلباء کو اور زیادہ بگاڑ دیں گے۔

اس سلسلہ میں جو کوتاہی ہوتی ہے اس کی وجہ بعض اداروں میں یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ انتظامیہ اساتذہ کے انتخاب میں صرف یہ پیش نظر رکھتی ہے کہ مدرس ہماری ہاں میں ہاں ملانے والا اور ذاتی طور پر ہمارا تابعدار ہو، خواہ صلاحیت وصالحیت اس میں ہو یا نہ ہو، اس کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی ۔ اسی طرح ناکارہ مدرس کو اس لئے برداشت کیا جاتا ہے کہ وہ انتظامیہ کی اچھی و بری بات میں تائید کرتا ہے اور اچھے و ماہر اساتذہ کو اس لئے برخواست کردیا جاتا ہے کہ وہ انتظامیہ کی اس طرح تائید نہیں کرتا یا ان کا ذاتی طور پر تابعدار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہے اور کیا ہوسکتا ہے کہ مدارس میں ناکاروں کی ایک ٹیم جمع ہوجائے اور حق وناحق میں انتظامیہ کی ہاں میں ہاں ملائے۔ جسے نہ پڑھنا ہے نہ پڑھانا ہے۔ یہ صورت حال مدارس ومدارس کے طلبہ کے حق میں کس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔

توکل علی اللہ ہی مدارس کا سرمایہ ہے

ایک اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ انتظامیہ کو یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ مدرسہ اللہ پر توکل کی بنیاد پر چلتا ہے؛ اس لئے انہیں صرف توکل علی اللہ کا سرمایہ جمع کرنے کی کوشش کرنا چاہیے، جب اللہ پر بھروسہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ غیب سے انتظام کریں گے، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:" وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ"(جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہیں)۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے جب دار العلوم قائم کیا تو یہی فرمایا تھا کہ یہ مدرسہ توکل علی اللہ کی بنیاد پر چلایا جائے، ورنہ اس کی خیر نہیں۔

تاریخ دار العلوم میں ہے کہ ''جب بنیاد رکھی جا چکی تو حضرت نانوتوی نے فرمایا کہ ''عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی

کے مانند ہے، جب تک اس کا مدار توکل اور اعتماد علی اللہ پر رہے گا یہ مدرسہ ترقی کرتا رہے گا۔‘‘

اس واقعے کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے ذیل کے اشعار میں نظم کیا ہے:

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کے لئے
کوئی سرمایہ بھروسے کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ
یہ سمجھ لینا کہ بےنور و ضیاء ہو جائے گا
ہے توکل پر بناءاس کی تو بس اس کا معیں
ایک گرجائے گا پیدا دوسرا ہو جائے گا

(تاریخ دارالعلوم دیوبند:۱۸۴/۱)

آج بعض مدارس والوں میں توکل واعتماد علی اللہ کی کمی کی وجہ سے دیکھا جاتا ہے کہ وہ حلال وحرام کا خیال ہی نہیں کرتے، اچھے وبرے کی تمیز سے غافل ہوتے ہیں اور جو بھی ملے جہاں سے بھی ملے اس کو لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز بعض جگہ اس سلسلہ میں دھوکہ وفریب سے بھی کام لینے والے لے لیتے ہیں۔ نیز مدز کاۃ کی رقم دوسرے مصرف میں بلا تملیک خرچ کر دی جاتی ہے، نیز چندہ وصول کرنے کے لئے بعض ناجائز امور کا ارتکاب بھی کرتے ہیں جیسے بعض جگہ مدارس میں یہ رواج عام ہوگیا ہے کہ سفیروں کے پاس طلباء کی تصاویر کا ایک البم دیکر بھیجا جاتا ہے جو سارے لوگوں کو دکھاتا پھرتا ہے، حالانکہ تمام علماء کرام کے نزدیک جاندار کی تصویر لینا، رکھنا اور دکھانا سب ناجائز ہے، جب خود اہل مدارس اس حرام کا ارتکاب کریں گے تو

دوسروں کو حرام سے کس طرح روک سکیں گے؟ یہ ساری باتیں اس لئے ہوتی ہیں کہ اللہ کی ذات پر توکل میں کمزوری ہوتی ہے۔

یہاں اکابرین کے بعض واقعات کا ذکر بے محل نہ ہوگا جن سے توکل علی اللہ کی برکات سامنے آتی ہیں :

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا توکل

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”کانپور میں جب میں پڑھاتا تھا تو مدرسہ کی مسجد میں طلباء کے لئے ایک حوض تیار کرانے کی ضرورت ہوئی اور روپیہ تھا نہیں اور کسی سے چندہ مانگنے کو طبیعت نے گوارہ نہ کیا۔ بس میں نے مدرسہ والوں سے کہا کہ تم اپنے اختیار کا کام کردو اور ایک جگہ متعین کر کے گڑھا کھدوادیا گیا اور چھوڑ دیا گیا، لوگ دریافت کرتے کہ یہ کیا ہے؟ ہم کہتے کہ حوض ہے، جتنی ہمارے اندر طاقت تھی اور جتنا سامان ہمارے پاس تھا اتنا ہم نے کرلیا آگے اللہ تعالیٰ مالک ہے، دو ایک دن تو یوں ہی پڑا رہا، اس کے بعد ایک دن محلّہ میں ایک بڑی بی نے مجھ کو اپنے گھر بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ ایک حوض تجویز ہوا ہے، اس کا کیا انتظام کیا گیا ہے؟ میں نے کہا کہ جتنا کام ہمارے اختیار میں تھا اتنا کرا دیا ہے، کہنے لگیں کہ کیا تخمینہ ہے؟ میں نے کہا کہ پانچ سو روپے، کہنے لگیں کہ میں دوں گی، میرے سوا کسی کا روپیہ نہ لگے۔ اب اور

لوگ بھی آنے شروع ہو گئے کہ صاحب ہمارے پانچ روپے قبول کیجئے ، ہمارے دس قبول روپے کیجئے ، میں نے کہا کہ ایک بی بی نے ایسا کہہ دیا ہے، ہاں ایک سائبان کی تجویز ہے کہ اس کے اوپر ڈالا جائے ، کہنے لگے کہ تو پھر ہم اسی کے لئے دیتے ہیں، چنانچہ حوض بھی تیار ہوگیا اور سائبان بھی تیار ہوگیا۔

(القول الجلیل:۲۲)

حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ کا توکل

حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ فرماتے ہیں کہ: ''مولانا گنگوہی رَحِمَہُ اللہُ کے یہاں حدیث کے دورے میں ستر ستر طالب علم ہوتے تھے، ان کا کھانا بھی کپڑا بھی ہوتا تھا، مگر کوئی فکر ہی نہیں، نہ چندے کی تحریک کی، نہ کبھی کسی سے فرمایا، ایک کمرہ بھی نہیں بنوایا، نہ وہاں چندہ تھا نہ کچھ تھا، پھر بھی وہاں خندہ ہی خندہ تھا۔

(حسن العزیز:۵۰۹/۱)

حضرت مسیح الامت رَحِمَہُ اللہُ کا توکل

میرے استاذ و شیخ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رَحِمَہُ اللہُ کے مدرسہ ''جامعہ مفتاح العلوم'' جلال آباد میں آج بھی کوئی مستقل سفیر نہیں ہے اور نہ کہیں اس کے چندہ کا اعلان واشتہار ہوتا ہے، شروع دور میں مدرسہ کا چندہ اساتذہ کے ذریعہ کیا جاتا تھا مگر بعد میں حضرت نے چندہ کا سلسلہ بند کر دیا، مگر اس کے باوجود توکل کی برکت سے مدرسہ بلا کسی تنگی و پریشانی قائم ودائم ہے اور مدرسہ کی تمام ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت کی وفات کے بعد میری جلال آباد حاضری ہوئی اور حضرت کے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا صفی اللہ صاحب دامت برکاتہم جو بھائی جان کے نام سے معروف ہیں اور میرے استاذ بھی ہیں، ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، درمیان گفتگو میں فرمایا کہ مولوی صاحب !الحمد للہ مدرسہ میں بڑے (مراد حضرت مسیح الامتؒ ہیں) کی برکت سے اتنا مال آرہا ہے کہ اگر آج سے ایک پیسہ بھی نہ آئے تب بھی مدرسہ دس سال تک اسی طرح چل سکتا ہے۔

اس سے توکل کی برکات صاف اور واضح طور پر سمجھ میں آتی ہیں؛ لہٰذا ہمیں بھی بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اصلاً توکل علی اللہ ہی کو مدارس کے لئے اصل سرمایہ سمجھنا چاہئے، باقی تدبیر کے طور پر حدودِ شرعیہ میں رہتے ہوئے باوقار طریقہ پر چندہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

چندے کی وصولی میں احتیاط

انتظامیہ کے متعلق ایک بات یہ عرض کرنا ہے کہ بعض مدارس کے ذمہ دار اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ مال کس طرح وصول وجمع ہو، حلال ذریعہ سے یا حرام ذریعہ سے؟ بلکہ ان کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی طریقہ سے مال آجائے، بلکہ بعض جگہ کے ذمہ داروں سے یہ سنا گیا کہ حلال وحرام اور شریعت کو ایک طرف رکھو، ورنہ مدرسہ کس طرح چلے گا؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، یہ تو وہ بات ہے جو دین سے لاپرواہ بلکہ بددین قسم کے لوگ کہا کرتے ہیں، مگر اب اہل مدارس کی زبانوں پر بھی یہ الفاظ آنے لگے۔

اور اسی لئے بعض مدارس میں کمیشن پر چندے کا سلسلہ بھی جاری ہے حالانکہ

علماء ومفتیان کرام نے بعد بحث وتمحیص وتحقیق وتدقیق اس کو حرام قرار دیا ہے۔ پھر اس میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بعض مدارس میں سفیر کو ساٹھ فیصد کمیشن دیا جاتا ہے اور مدرسے کو اس سے صرف چالیس فیصد ملتا ہے، مگر یہ لوگ اس لئے اس پر بھی خوش ہیں کہ بہرحال کچھ تو آرہا ہے۔ اہل مدارس کے لئے یہ بات کس قدر معیوب ہے کہ وہ خود حلال وحرام کا لوگوں کو درس دیں، پھر خود ہی اس کی کوئی پرواہ نہ کریں؟

الغرض یہ ضروری ہے کہ حرام ذرائع سے اجتناب کریں، ورنہ اس چندے سے نہ علم پھیلے گا، نہ علم کی برکات ظاہر ہوں گی، اور نہ طلباء کے اندر کوئی خیر وبھلائی پیدا ہوگی، پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ ورسول ہی خوش نہیں، تو آخر اس طرح مدرسہ چلانے سے کیا فائدہ؟ مدرسہ چلانے سے اصل مقصود تو اللہ کی خوشنودی ورضا کا حصول ہے، خواہ وہ چھوٹے مدرسہ سے حاصل ہو یا بڑے سے حاصل ہو یا بغیر مدرسے کے حاصل ہو۔

حضرت مولانا تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''اہل مدارس کہتے ہیں کہ سوال نہ کیا جائے تو کام کیسے چلے؟ ارے ہم کہتے ہیں کہ کام سے مقصود کیا ہے؟ رضا، وہ تو نہیں گھٹی، جب سو طالب علموں کی خدمت اختیار میں تھی، سو کی خدمت کرتے تھے، اب جب پانچ کی اختیار میں ہے، پانچ کی کریں گے، کام ہلکا اور ثواب وہی، پھر غم کس چیز کا؟۔

(حسن العزیز:۱/۵۸۳)

الغرض اہل مدارس کو اللہ پر نظر کرنا چاہیے اور اسی پر توکل وبھروسہ رکھنا چاہئے، مدرسہ چلانے کے لئے حلال وحرام کی تمیز نہ کرنا اور اس کے لئے الٹی سیدھی

تدبیریں کرنا مدارس کی شان بلکہ ان کے مقصدِ وجود ہی کے بالکل خلاف ہے۔

حسابات میں صفائی

ایک نہایت اہم بات یہ ہے کہ بعض جگہ حسابات میں صفائی کا اہتمام نہیں ہوتا، اور اس میں دو قسم کے لوگ ہیں: ایک تو وہ جو اپنے بھولے پن سے صحیح طریقے پر حساب کتاب کا اہتمام نہیں کرتے، اور دوسرے وہ ہیں جو محض چالبازی سے ایسا کرتے ہیں جس کی وجہ سے مدارس بدنام ہوتے ہیں۔

رابطۂ مدارس کی منظور شدہ تجاویز میں بھی اس بات کی اہلِ مدارس کو تاکید کی گئی ہے کہ حسابات آمد وخرچ صاف رکھے جائیں، اور مستند آڈیٹر سے ان کی جانچ کرائی جائے۔

جہاں تک ان بھولے بھالے لوگوں کا مسئلہ ہے ان سے تو یہ گزارش ہے کہ وہ معتبر مدارس میں آکر وہاں کے حسابات لکھنے اور رکھنے کے طریقۂ کار کو دیکھیں اور سمجھیں اور اسی کے مطابق اپنے یہاں جاری کریں۔

میں ایک مدرسے میں گیا، تو وہاں کے ناظم صاحب نے مختلف اقسام کے رجسٹر دکھائے جو سب کے سب تعلیم سے متعلق تھے، میں نے پوچھا کہ حسابات کا رجسٹر کہاں ہے؟ تو کہا کہ کوئی رجسٹر اس کا نہیں ہے، ہم ویسے ہی ایک اندازے سے ایک کاپی میں کچھ لکھ لیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہی آپ کی کاپی دکھایئے۔ تو وہ کاپی لائے، اس میں ایک ایک ماہ کا حساب ایک ایک صفحہ پر درج تھا، کہ مطبخ کا خرچہ اتنا، اساتذہ کی تنخواہ اتنی وغیرہ، مگر نہ کسی کا کوئی اوچر (voucher) ہے اور نہ کسی مد کی کوئی تفصیل۔ ظاہر ہے کہ اس کا نام تو حساب نہیں ہے، اور قانونی طور پر اس کو کوئی قبول نہیں کرتا۔ پھر میں نے ان کو فہمائش کی تو کہا کہ یہ تو ہمیں معلوم ہی نہیں کہ اس

میں اتنی باریکیاں ہیں۔

رہے وہ لوگ جو چالبازی سے حسابات کو صحیح مرتب نہیں کرتے اور غلط و جھوٹے حساب مرتب کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور اللہ کے پاس حساب سے پہلے دنیا ہی میں صاف کرلیں۔

رقوم کی مدات کا لحاظ

ایک بات اہل انتظام کے متعلق یہ ہے کہ آمدنیات میں مختلف مدوں کا الگ الگ لحاظ بھی ضروری ہے، زکاۃ، نذرومنت، اور واجب صدقات کا ایک مد ہوتا ہے اور عام عطایا اور نفلی صدقات کا دوسرا مد ہوتا ہے۔ شرعاً ان مدات کے مصارف الگ الگ ہیں، ان میں گڈمڈ کرنا ناجائز ہے، زکاۃ اور اسی کے حکم میں نذرومنت ہیں ان کا مصرف شریعت میں منصوص ومقرر ہے اور وہ قرآن کے مطابق آٹھ مصارف ہیں، ان آٹھ کے سوا کسی اور جگہ زکاۃ ونذر کی رقومات کا خرچ کرنا ناجائز ہے اور اس سے ایک قول کے مطابق زکاۃ ونذر پوری نہیں ہوتی، اور ایک قول کے مطابق دینے والوں کی زکاۃ ونذر تو پوری ہوجاتی ہے مگر چونکہ ان خرچ کرنے والوں نے غلط جگہ خرچ کیا ہے اس لئے ان کی قیامت میں سرزنش کی جائے گی۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک مدارس کے ذمہ دار طلباء کے وکیل ہیں، اور جب ان ذمہ داروں نے طلباء کے وکیل کی حیثیت سے زکاۃ وصول کرلی تو زکاۃ دینے والوں کی زکاۃ ادا ہوگئی مگر چونکہ ان ذمہ داروں نے اس کو اصل مصرف پر خرچ نہیں کیا اس لئے وہ ماخوذ ہوں گے، اور بعض علماء کے نزدیک اہل مدارس زکاۃ دہندہ لوگوں کے وکیل ہیں اس لئے ان مدارس والوں کے پاس رقم کے

آجانے سے زکاۃ ادانہیں ہوتی ، بلکہ جب یہ اس کو مصرف پرخرچ کریں گے تب ادا ہوگی اور انہوں نے ادانہیں کیا اس لئے زکاۃ ہی ادانہیں ہوئی۔

بہرصورت اس کی اہمیت ثابت وظاہر ہے کہ زکاۃ ونذرومنت کی رقومات کو ان کے مصرف میں خرچ کرنے کا اہتمام والتزام چاہیے، اسی طرح جو عام صدقات و نفلی عطیہ جات ہیں وہ بھی چونکہ دینے والوں نے مدرسے کی ضرورت اور اس کے بقاء وتحفظ کا سامان کرنے کے لئے دیا ہے؛ لہٰذا ان کو بھی انہی مقاصد کو پورا کرنے کے لئے خرچ کیا جانا چاہئے۔

مگر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بعض مدارس میں اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا جاتا ، بلکہ سب ایک ہی مد میں جمع کیا جاتا ہے اور اسی طرح خرچ بھی بلا کسی فرق وامتیاز کے کیا جاتا ہے، اور اس کا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا کہ دینے والوں نے کن مقاصد کی خاطر دیا ہے، بلکہ جیسا چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی اپنا ذاتی روپیہ ہو؛ لہٰذا اس طرف بھی اہل مدارس کو پوری توجہ دینی چاہیے کہ آمدنی کونسی مد کی ہے اور یہ کہ کیا وہ اس کے مصرف میں خرچ ہورہی ہے؟ اور یہ کہ چندہ دہندگان کے مطابق خرچ ہورہی ہے؟

علامہ بنوری اور مدات رقوم میں احتیاط

حضرت مولانا علامہ یوسف بنوری رَحِمَہُ اللہُ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ مدرسے میں آنے والی رقوم اور ان کے خرچ کے سلسلہ میں انتہائی و بے نظیر احتیاط برتتے تھے، اور خازن مدرسہ کو حکم دیا تھا کہ بنیادی طور پر مدرسے کے دو فنڈ اور بینک میں دو علاحدہ علاحدہ اکاونٹ ہونے چاہئے ۔ ایک زکوۃ فنڈ دوسرا امدادی فنڈ ،

اور دونوں فنڈ ایک دوسرے سے علاحدہ رکھے جائیں۔

(ماہنامہ بینات، علامہ بنوری نمبر:۲۲۲)

مدارس کی رقوم کے خرچ میں احتیاط

خرچ میں احتیاط اور اس میں لاپروائی سے رکنا بھی ضروری ہے۔اکابرین نے اس سلسلہ میں جو احتیاط برتی ہے وہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے اس سلسلہ میں اکابرین کے چند واقعات لکھے ہیں، یہاں بعض کا نقل کردینا مناسب ہے:

مولانا احمد علی صاحب محدث کی احتیاط

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ حضرت اقدس مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> ''وہ جب مظاہر علوم کی تعمیر کے چندے کے سلسلے میں کلکتہ تشریف لے گئے تو مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کی آمد وخرچ کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا، وہ رجسٹر میں نے خود پڑھا ہے، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا، اگر چہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میری سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی، چندہ کی نہیں تھی، اس لئے وہاں آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کر لیا جائے۔

(آپ بیتی:۲۷)

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی کی احتیاط

حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی رَحِمَہُ اللہُ جن کے نام پر مدرسے کا نام مظاہر علوم تجویز کیا گیا تھا، ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

''ان کا معمول تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں جب کوئی مولانا کا عزیز ذاتی ملاقات کے لئے آتا تو اس سے باتیں شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر حضرت کی کتاب میں ایک پرچہ رکھا رہتا تھا اس پر تاریخ اور منٹوں کا اندراج فرما لیتے اور ماہ کے ختم پر ان کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھ روز کی رخصت اور اگر نصف یوم سے زیادہ ہوتو ایک روز کی رخصت مدرسہ میں لکھوا دیتے۔

(آپ بیتی:۲۸)

حضرت مولانا خلیل احمد محدث کی احتیاط

حضرت شیخ زکریا صاحب رَحِمَہُ اللہُ لکھتے ہیں کہ:

'' حضرت اقدس سہارنپوری رَحِمَہُ اللہُ کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبہ کے آدمیوں میں سے تھے، ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ حضرت سبق پڑھا رہے تھے، اختتام سبق تک تو حضرت نے توجہ ہی نہ فرمائی، ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں۔ حضرت

رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ارشاد فرمایا کہ مدرسہ نے یہ قالین اسباق پڑھانے کے لیے دیا ہے، ذاتی استعمال کے لیے نہیں دیا۔ اس لیے اس قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے۔ البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم (دفتر مدرسہ) میں حضرت کی ہمیشہ دو چارپائی رہتی تھیں، انہیں پر حضرت آرام فرماتے تھے، انہیں پر بیٹھتے تھے۔ مدرسہ کی اشیاء کو میں نے استعمال کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(آپ بیتی:۲۹)

مولانا عنایت الٰہیؒ کی احتیاط

مظاہر علوم کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''آپ کے پاس دفتر میں دو قلمدان تھے، ایک مدرسہ کا تھا، دوسرا اپنا ذاتی، اور ذاتی قلمدان میں چھوٹے چھوٹے پرچے بھی پڑے رہتے تھے۔ اپنے گھر یا ذاتی پرچہ کہیں لکھنا ہوتا تھا تو مدرسہ کے قلمدان یا مدرسہ کے کاغذ پر نہیں لکھتے تھے۔

(آپ بیتی:۳۰)

مولانا یحیی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کی احتیاط

حضرت شیخ الحدیث اپنے والد محترم حضرت مولانا یحیی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''میرے والد رَحِمَہُ اللّٰہُ کا کھانا اس زمانے میں بازار سے آیا کرتا تھا، جو شام کو مدرسہ آتے بالکل جم جاتا تھا، میرے والد

صاحب سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے قریب حمام سے باہر
رکھ دیتے تھے، جب وہ نیم گرم ہو جاتا تو نوش فرمالیا کرتے تھے،
اس پر بھی دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے نام سے اس دُور کی آگ کی
انتفاع کی وجہ سے دیا کرتے تھے۔

(آپ بیتی:۳۰)

علامہ یوسف بنوری کی احتیاط

علامہ بنوری رحمہ اللہ مدرسے کی رقوم کے بارے میں بڑے محتاط تھے، اور زکاۃ کے مد کو نہایت احتیاط سے استعمال میں لاتے تھے تاکہ اس کے مصرف سے ہٹ کر وہ خرچ نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ایک جامعہ اسلامیہ بنوری ٹون کے ابتدائی دور کا ایک واقعہ'' ماہنامہ بینات، علامہ بنوری نمبر'' میں درج ہوا ہے کہ:

'' آغاز مدرسہ کے دوسرے سال مدرسہ کی حالت زکوۃ فنڈ
میں قابل اطمینان ہوگئی، ایک مرتبہ زکوۃ فنڈ میں پچیس ہزار روپیہ جمع
تھا، مگر غیر زکوۃ فنڈ خالی تھا، جب تنخواہیں دینے کا وقت آیا تو خازن
مدرسہ نے حضرت مولانا (علامہ یوسف بنوری) سے عرض کیا کہ
مدرسین کی تنخواہوں کے لئے کچھ نہیں ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ
زکوۃ فنڈ سے قرض لیکر مدرسین کی تنخواہیں ادا کر دی جائیں۔ آپ نے
فرمایا کہ ہرگز نہیں، اور فرمایا کہ اس قرض کی ادائیگی کا کون ذمہ دار
ہوگا؟ موت وزندگی کا کچھ بھروسہ نہیں، نیز فرمایا کہ میں مدرسین کی
آسائش کے لئے دوزخ کا ایندھن بننا نہیں چاہتا۔

(بینات، علامہ بنوری نمبر:۲۲۳)

اگر اس نوع کے ہمارے اکابرین کے واقعات جمع کئے جائیں تو ایک بڑی جلد تیار ہو جائے گی، یہاں بطور نمونہ چند کا ذکر کیا گیا ہے، یہ سارے واقعات ہمارے لئے عبرت وموعظت کا سامان ہیں، لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم بھی مدارس کے اموال ورقوم کے سلسلے میں احتیاط برتیں۔

دارالعلوم پر ایک انگریز جاسوس کا تبصرہ

اخیر میں یہ گذارش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ ہر اعتبار سے مدارس کو عمدہ اور بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے، تعلیمی اور تربیتی اور انتظامی ہر لائن سے عمدگی اور حسن پیدا کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا چاہئے اور مدرسہ کو ایسا بنانا چاہیے جیسے ایک انگریز جاسوس ''جان پامر'' نے جو انگریزی دور میں صوبہ یوپی کے گورنر سر جان اسٹریچی کی طرف سے دارالعلوم میں خفیہ تحقیقات کے لئے بھیجا گیا تھا، اس نے اپنے ایک دوست کو پوری تفصیل کے ساتھ وہاں کی تعلیمی وتربیتی سرگرمیوں اور وہاں کے طرز معاشرت اور اخلاق وتہذیب کے احوال ایک خط میں لکھنے کے بعد اخیر میں لکھا کہ:

> ''میری تحقیقات کے نتائج یہ ہیں کہ یہاں (دارالعلوم دیوبند) کے لوگ تعلیم یافتہ، نیک چلن اور نہایت سلیم الطبع ہیں، کوئی ضروری فن ایسا نہیں جو یہاں نہ پڑھایا جاتا ہو، جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں کے صرفہ سے ہوتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ میں کر رہا ہے، مسلمانوں کے لئے اس سے بہتر کوئی تعلیم گاہ نہیں ہوسکتی، اور میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پائے تو نفع سے خالی نہیں،

انگلستان میں اندھوں کا اسکول سنا تھا مگر یہاں آنکھوں سے دیکھا کہ دو اندھے تحریر اقلیدس کی شکلیں کف دست پر اس طرح ثابت کرتے ہیں کہ شاید و باید، مجھے افسوس ہے کہ آج سر ولیم میور موجود نہیں ہیں، ورنہ بکمال ذوق وشوق اس مدرسہ کو دیکھتے اور طلبہ کو انعام دیتے۔

(تاریخ دار العلوم دیوبند: ۱/۱۸۰-۱۸۱)

فقط

حررہ محمد شعیب اللہ خان
جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور